ماہنامہ
افکار العارف
MONTHLY AFKAR-E-AL-ARIF
LAHORE
FEBRUARY 2023
۲۲ بہمن
11 فروری 1979ء
مستضعفین و محرومین کی
ظالمین و مستکبرین
پر فتح کی 44ویں بہار

خمینیؒ بت شکن نے فرمایا

یہ اسلام وہی اسلام ہے جس نے ان کو انسان بنانے کی غرض سے نصف صدی میں ان تمام ملکوں کو فتح کر لیا تھا۔ اسلامی فتوحات دوسرے سلاطین کی سلطنتی فتوحات کی مانند نہیں ہے مثلاً یہ نادر شاہی فتح نہیں ہے۔ اسلامی طرز حکومت وہ طرز حکومت جس میں "انسانی تعمیر" کا کام ہوتا ہے۔ آپ خود اسلام کے رہبروں کی زندگی اور ان کی حکومت کا طریقہ ملاحظہ کریں۔ مثلاً پیغمبر اکرمؐ جو اسلام کے سربراہ ہیں، امیرالمومنینؑ جو آپؐ کے بعد اسلام کے سربراہ ہیں۔ آپ خود ان کو دیکھئے کہ ان کی کیفیت کیا تھی؟ کیا پیغمبر اکرمؐ اور امیرالمومنینؑ کی حکومت آمرانہ تھی؟ وہ پیغمبرؐ جو لوگوں کے ساتھ بیٹھتے تھے تو پتہ نہیں چلتا تھا کہ ان میں کون آقا ہے اور کون غلام، وہ پیغمبرؐ جو لوگوں کے ساتھ ویسے ہی بیٹھ جاتا تھا اور باہم ایک ہی ساتھ بیٹھ کر ملاقاتیں کرتا تھا جس کی بزم غلاموں اور فقیروں کی بزم تھی، جس کی زندگی فقیروں جیسی تھی، جس کے زمانے میں بیت المال عوام کی ملکیت تھا، خود کوئی تصرف نہیں کرتے تھے۔ ایک فقیر کی مانند رہتے تھے اور جب لوگوں کے ساتھ معاشرت کرتے تھے برابری کی معاشرت تھی، جب اعلان کرتے تھے تو اس انداز سے اعلان کرتے تھے کہ جس کا مجھ پر کوئی حق ہو وہ بتائے۔ ایک بھی انسان ایسا نکلا جو کہتا کہ آپ نے ہم پر کوئی ظلم کیا ہے صرف ایک شخص ان میں سے اٹھا اور جھوٹ بولا اپنی ایک خواہش پوری کرنے کیلئے اور نہ کسی نے کہا کہ جناب آپ نے میری دس شاہی (ایران کا سب سے چھوٹا سکہ) لے لیا ہے، آپ نے مجھ پر ایک ظلم کیا ہے۔ ایک موقع پر برا کہا ہے۔ عرض کروں نعوذ باللہ اس قوم کے ساتھ آپ نے کوئی خیانت نہیں کی۔ وہ شخص جس نے جھوٹ بولا کہ آپ کے مجھے فلاں جگہ مارا تھا تو وہ صرف اس لیے کہ وہ آپ کی شانے کا بوسہ لینا چاہتا ہے یعنی میں نے جھوٹ بولا تھا آپؐ نے ایسا نہیں کیا تھا۔

شہید قائد علامہ عارف حسین الحسینیؒ نے فرمایا:

تقویٰ اور سعادت انسان:

پس تقویٰ جو مولائے کائنات نے فرمایا: "تقویٰ تمہارے دلوں کے دردوں کی دوا اور تمہارے جسموں کی بیماریوں کا علاج ہے" یہ کسی عام شخص کی بات نہیں بلکہ اس عظیم روحانی شخصیت کی بات جو انسان کے اندرونی حالات سے آگاہ ہے۔ ان کو پتہ ہے کہ اس انسان کیلئے کون کون سی چیزیں مفید ہیں اور کون کون سی مضر ہیں۔ ہمیں اگر دنیاوی اور دینی سعادت حاصل کرنی ہے تو پھر ہمیں تقویٰ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ وہ شخص جو تقویٰ رکھتا ہے وہ اپنی کمائی پر اکتفا کرتا ہے۔ اپنے حق پر اکتفا کرتا ہے، وہ ہرگز ایسا نہیں کرتا کہ اپنے شب و روز اس فکر میں گزارے کہ میں کس طریقے سے زیادہ کماؤں، کس کی جیب کاٹوں اور مالدار بن جاؤں۔ وہ ہر حال میں شکر ادا کرتا ہے۔ اس کے برعکس وہ شخص ہے جس کے دل میں تقویٰ نہیں ہے تو اس کا دل پریشان ہے۔ اسے سکون حاصل نہیں ہے اور ان اعصابی بیماریوں کی وجہ سے معدہ کی تکلیف ہو جاتی ہے اور پتہ نہیں اسے کون کون سی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں لیکن اس کے برعکس وہ شخص جو متقی و پرہیزگار ہے ان تمام بلاؤں اور بدبختیوں سے بچا ہوا ہے۔

ماہنامہ
افکار العارف
MONTHLY AFKAR-E-AL-ARIF
LAHORE

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا

(حضرت علیؑ)

فروری 2023ء | جلد نمبر 15 | شمارہ نمبر: 02

ڈیکلریشن نمبر: PCPB-495 رجسٹرڈ نمبر: CPL-60

دامن العارف میں

نور ہدایت	ادارہ	2
احادیث و فرامین	ادارہ	3
اداریہ۔ انقلاب اسلامی ایران	ادارہ	4
مولود کعبہ مولا علیؑ	ارشاد حسین ناصر	7
امام تقی جوادؑ	اطہر حسن کرز	11
انقلابی علماء کے ناخلف بیٹے	رمیز الحسن	13
حیات امام موسیٰ ابن جعفر	ید اللہ	17
تنظیم ایک عظیم درسگاہ	رہبر معظم	22
حزب اللہ کیوں کر کامیاب ہے	ادارہ	28
اتحاد بین المسلمین کا عالمی منشور	سید صادق تقوی	33
امام خمینیؒ اور کربلا کے سیاسی رخ کا احیاء	حسین شیدائیان	38
امام خمینیؒ و اسلامی انقلاب کی برکات	ظہیر الحسن کربلائی	44

مینجنگ ایڈیٹر: علی حسن جعفری

ایڈیٹر: ارشاد حسین ناصر

خاتون ایڈیٹر: خواہر عظمیٰ شیرازی

لیگل ایڈوائزر: سید عون سجاد ایڈووکیٹ

مجلس ادارت

- ڈاکٹر راشد عباس سید
- ناصر عباس شیرازی
- سید نثار علی ترمذی
- ایم حیدر
- یافث نوید ہاشمی

ڈیزائننگ: حسن نصر اللہ

ادارے کا مراسلہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

بیرون ملک نمائندگان

لبنان: علی اکبر — کویت: ذوالفقار مطہری
تہران: سید اصغر کاظمی — قم المقدس: سید مدثر ترمذی
امریکہ: سجاد بلوچ — برطانیہ: چوہدری امین طاہر

Afkaralarif@gmail.com

قیمت فی شمارہ 50 روپے — زر اشتراک بیرون از ملک
زر سالانہ 750 روپے — بھارت، ایران، سعودی عرب، ابوظہبی، کویت، امریکہ، لبنان، یو کے 25 ڈالرز

پبلشر ارشاد حسین نے بینکوئٹ پریس لاہور سے چھپوا کر 5۔ مسلم ٹاؤن موڑ وحدت روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

برائے رابطہ: ماہنامہ افکار العارف المصطفےٰ ہاؤس 5۔ مسلم ٹاؤن موڑ وحدت روڈ لاہور فون
0423-5912650
0333-4424817

ماہنامہ افکار العارف لاہور

حق وباطل کی جنگ میں حق کامیاب ہے۔

قرآن ایک دوسری آیت میں حق وباطل کو پانی اور جھاگ سے تشبیہ دیتا ہے، بالکل جھاگ کی طرح حق کے دوش پر سوار ہوجائے گا اور حق کی حرکت کے ساتھ حرکت کرے گا لیکن زیادہ دیر نہیں لگے گی کہ باطل جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا اور حق اور حقیقت آب حیات کی طرح دلوں میں باقی رہ جائے گی۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔

"فاما الزبد فیذ ھب جفاءً و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض"

''جھاگ پانی کے اوپر سے نابود ہوجائے گی اور لوگوں کے لئے جو کچھ مفید ہے وہ زمین میں باقی رہ جائے گا''۔ رعد ۱۷

زمان آخر میں معاشروں کی اصلاح کے لئے غیبی امداد:

قرآن کے مطابق زمانہ آخر میں معاشروں کے لئے ایسے جان نثار افراد پیدا ہوں گے، جو اپنی پوری توانائی سے اسلام کی سربلندی اور کفر کی نابودی کے لئے کوشاں ہوں گے۔ چنانچہ قرآن مختلف گروہوں کو خبردار کرتا ہے کہ اگر وہ توحید کے جادۂ مستقیم سے منحرف ہوگئے، اور جاہلیت کی طرف پلٹ گئے تو ان کے اس انحراف کی وجہ سے دین حق کبھی نابود اور تباہ نہیں ہوگا۔ ساری تاریخ میں معاشرہ جو اپنے کمال کی طرف رواں دواں رہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے افراد پیدا ہوتے رہے ہیں جو خدا کے دوست ہیں اور خدا بھی ان کو دوست رکھتا ہے وہ صاحبِ ایمان لوگوں کے سامنے متواضع اور منکر المزاج ہیں۔ جب کہ کفار کے مقابلے میں پروقار اور باعب ہیں۔ راہ خدا میں کوشش کرتے ہیں اور ملامت کرنے والوں کو ملامت سے نہیں ڈرتے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے؛

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو! (یاد رکھو) تم میں سے جو کوئی بھی اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہے اور اس کو دوست رکھتے ہیں۔ (وہ) مؤمنوں پر نرم دل ہوں گے اور کافروں پر سخت ہوں گے۔ وہ خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ (مائدہ ۵۴)

ماخوذ (قرآن کا دائمی منشور، نگارش آیت اللہ استاد جعفر سبحانی)

آخرت پسندی اور دین میں زہد و تقویٰ بصیرت کی ستائش اور دنیا طلبی کی مذمت

دنیا طلبی کی مذمت اور ایمان کی بلندی کا ذکر:

اصحاب آئمہ علیہم السلام میں سے ایک شخص اپنے کاروبار کے وسیع ہو جانے کی وجہ سے ناراض تھا۔امامؑ اس سے ملے اور فرمایا: تم کیوں غمگین ہو؟ اس نے کہا: مولا، میری دولت بڑھ گئی ہے، دنیا کے جال میں پھنس گیا ہوں۔فرمایا: تم کیوں مال دنیا کے پیچھے پڑے ہو؟ اس نے کہا: تاکہ میں اور میرے فرزند دوسروں کے محتاج نہ رہیں اور اپنے مؤمن بھائیوں کی مدد کرسکوں۔حضرتؑ نے فرمایا: یہ تو وہی آخرت طلبی ہے یہ دنیا طلبی نہیں ہے۔پریشان ہونے کی بات نہیں۔تم جب دنیوی لذتوں پر فریفتہ ہو جاؤ گے اور دنیا کو دنیا کے لئے چاہو گے، تو اس وقت فکر مند ہونا۔

”ما ملن شیءٍ ابغض الی اللہ تعالی من الدنیا خلقھا ثم عرضھا فلم ینظر الیھا و لا ینظر الیھا حتی تقوم الساعة“

ترجمہ: ”خدا کے نزدیک دنیا کے برابر کوئی چیز قابلِ نفرت نہیں ہے۔اس نے اسے پیدا کیا پھر اس سے منہ موڑ لیا اور اس سے اپنی نظر رحمت کو ہٹا لیا اور قیامت تک اس کی طرف نظر نہیں کرے گا“۔

اس کلام کے مضمون کو بزرگوں، خاص کر امام خمینیؒ اپنی اخلاق کی کتابوں میں زیادہ بیان فرماتے تھے اور اس پر اصرار فرماتے تھے۔(یہ ایک عجیب تعبیر ہے)۔اہل معرفت کے لئے یہی تعبیر کافی ہے کہ عمر بھر دنیا کی طرف رغبت نہ کریں۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کو دوست رکھتا ہے۔وہ اسماء اور صفات الٰہی کے آثار ہیں۔اس لحاظ سے کہ دنیا اور اس کی نعمتیں اس کی صفات و اسماء کے مظہر ہیں، قیامت تک ان پر توجہ وعنایت رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ دنیا پر اس جہت سے توجہ اور عنایت نہیں کرتا جبکہ اسے مستقل اور اصالت کا درجہ دیا جائے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں محبت وعنایت الٰہی کا تعلق کس چیز سے ہے؟ اس نکتہ کے بیان میں آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

”و مامن شیءٍ احب الی اللہ عزوجل من الایمان بہ و ترکب ما امر بترکہ“

ترجمہ: ”خدا کے نزدیک ایمان اور محرمات سے پرہیز کرنے کے برابر کوئی چیز محبوب تر نہیں ہے“۔

ماخوذ (حضرت رسول اللہؐ کی حضرت ابوذرؓ کو نصیحتیں، نگارش آیت اللہ محمد تقی مصباح یزدی)

ادا ریہ

ہم کل بھی سر دار صداقت کے امین تھے ہم آج بھی انکار حقیقت نہ کریں گے

انقلاب اسلامی ایران کی 44 ویں سالگرہ اور اس کا مستقبل

11 فروری 1979ء کا عظیم و تاریخ ساز دن جب پاکستان کے ہمسائے ایران میں آزادی کا سورج طلوع ہوا، جب ایسے نور کا انفجار ہوا جس کی روشنی میں تاریکیوں میں ڈوبے صدیوں کے مناظر صاف و شفاف دکھائی دینے لگے،، جب ستم کی طویل سیاہ رات کا خاتمہ ہوا، جب درد کے ماروں کو دوا ملی اور اس سے شفایابی نصیب ہوئی، جب دعاؤں کو استجابت ملی، جب ظلم کے مقابل مظلوموں کو طاقت و قوت ملی، جب 22 بہمن 57 کو ڈھائی ہزار سال پرانے نظام ظلم و جبر کے خاتمے اور ظلم کی سیاہ رات کے خاتمے کا بگل بجا جس کی گونج ہر ایک کے کان تک پہنچی اور جب عظیم قربانیاں پیش کرنے والے شہداء کی خالی جگہ آزادی کی بہار کا دلربا و دلسوز نغمہ ہر طرف گونج اٹھا۔

11 فروری یعنی 22 بہمن کا دن جب اس دنیا نے تاریخ میں ایک تاریخ ساز و حیران کن تبدیلی اور ایک بہت ہی عظیم و منفرد اور مقبول انقلاب دیکھا۔ یہ بال شک و شبہ محبت اور ایمان سے بھرپور دلوں کے ساتھ پرعزم اور متحد قوم کا عروج تھا جس کی نظیر اس سے پہلے کسی نے نہیں دیکھی تھی۔ ماہِ بہمن میں برسوں وطن سے دور رہنے کے بعد اس انقلاب کے بانی اور عظیم المرتبت رہنما نے وطن کی گلابی سرزمین پر قدم رکھا جس نے ایک خدا پرست قوم کو آزادی و خودمختاری عطا کی اور یوں بہمن 57 میں آپ نے وطن کی سرزمین پر دوبارہ قدم رکھا۔ یہ خالص محمدی اسلام کا ظہور تھا جسے اس صدی میں احیاء کا سہرا امام خمینی اور ان کے جانثار ساتھیوں، عظیم ایرانی قوم کے سر جاتا ہے۔ دنیا آج بھی حیرت میں مبتلا ہے کہ یہ انقلاب کیسے آیا جب کہ دنیائے استعمار و استکبار نے اس کو ناکام بنانے کیلئے اپنی تمام تر توانائیاں لگا دی تھیں مگر اس کا راستہ نہیں روکا جا سکا، تمام تر حربے، تمام تر سازشیں، تمام تر ٹیکنالوجیز ناکام ہوئیں اور انقلاب کی یہ صبح اپنا پیغام لیکر طلوع ہو کے رہی۔

22 بہمن 57 (11 فروری 79ء) کی شاندار فتح بہت سے عوامل کا نتیجہ تھی جن میں سب سے اہم یہ ہیں:

1- اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل، اہل ایران، ان کی قیادت و رہبری نے اپنی جدوجہد میں دنیا کی طاقتوں کے مقابل اللہ تعالیٰ کی ذات پہ توکل اور کامل یقین رکھا اور اپنی خالص جدوجہد جاری رکھی۔ امام خمینی نے اپنی جدوجہد میں لا شرقیہ لا غربیہ کا شعار بلند کیا اور شرقی و غربی استعمار سے لاتعلقی رکھتے ہوئے لا الہٰ الا اللہ کی بنیاد پر ہر رکاوٹ کو عبور کرتے رہے، اللہ کی مدد ان کے شامل حال رہی اور کامیابی نصیب ہوئی۔

2- متقی روحانی قیادت اور فقیہ عالم دین یعنی امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی بابصیرت والٰہی قیادت اور ان کے ایثار گر جانثار ساتھی، ان کی مثال ملنا ممکن نہیں۔

3-ایرانی قوم کا اتحاد اور یکجہتی۔اس کی مثال ملنا بھی ممکن نہیں جس طرح اہل ایران نے ایک الہی و روحانی قیادت میں اپنے اتحاد و یکجہتی کو برقرار رکھتے ہوئے انقلاب کی جدو جہد جاری رکھی یہ ظالمین، غاصبین، جابروں کے سامنے ڈٹ جانے والوں کیلئے ایک روشن و زندہ مثال ہے۔ایک ایسی مثال جس سے دنیا بھر میں ظالمین کے خلاف برسرپیکار ہونے والوں کیلئے بہترین نمونے موجود ہیں اور انہیں قدم قدم پہ رہنمائی مل سکتی ہے،اس انقلاب کے بعد دنیا کے ہر گوشے میں اس انقلاب کا پیغام پہنچا کے امام خمینی اور ان کے عظیم ساتھیوں نے حق کی اصل راہ دکھلا دی، جس پہ گامزن رہ کے ہی غلام و مقہور اقوام اپنی حریت و آزادی حاصل کر سکتی ہیں

4- راہ خدا میں استقامت اور، مشکلات کو برداشت کرنا۔۔دنیا کی ہر تحریک کو مختلف مراحل پہ مشکلات اور رکاوٹیں برداشت کرنا ہوتی ہیں یہ رکاوٹیں اس الہی تحریک کو بھی پیش آئیں مگر راہ خدا میں خالص جدو جہد کرنے والوں نے بھرپور استقامت دکھائی اور مشکلات برداشت کیں،قربانیاں پیش کیں،ایثار گری کے عظیم نمونے پیش کیئے گئے،اور اس انقلاب کی تاریخ پہ نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس استقامت و جوانمردی، برداشت،قربانیوں کے نتیجہ میں خدائی مدد نازل ہوئیں،اور اس جدو جہد کرنے والوں پہ بھی آسمانی تصدیقات نازل ہوئیں اور دشمنوں پر ان کو فتح یقینی ہوئی، انقلاب کا نقارہ بج گیا۔اسلامی انقلاب کی فتح سے ایران اور دنیا میں گہری تبدیلیاں آئیں،ان تبدیلیوں سے ڈرنے والے ہی اس کی مخالفت کر رہے تھے اور اس انقلاب کا راستہ روکنے کی کوشش و سازش کر رہے تھے،ملک اور دنیا کے اندر گہری تبدیلیاں رونما ہوئیں،ان تبدیلیوں نے پورے خطے کو اپنی لپیٹ میں لینا تھا،بالخصوص ایران کے ہمسائے ممالک جہاں برسوں سے بادشاہتیں قائم تھیں ان کی بنیادیں لرزنے لگیں، یہ عرب بادشاہتیں آج بھی اسی طرح لرزتی دیکھی جا سکتی ہیں،اسی وجہ سے اس انقلاب کے خلاف یہ سارے ہمسائے عرب بادشاہ یک جان ہوگئے ہیں اور انقلاب کو نابود کرنے کیلئے امریکہ،اسرائیل اور استعمار کی چاکری میں لگے ہوئے ہیں،مگر یہ نور خدا جو 11 فروری کو روشن ہوا اس کو پھونکوں سے بجھایا نا جاسکے گا۔

11 فروری یعنی 22 بہمن سے چند دن قبل کے ایام بھی اس انقلاب کی تاریخ کے بہت ہی یادگار دن ہیں ان میں بھی بہت سے اسباق موجود ہیں جنہیں ازبر کرنے کی ضرورت ہے،انقلاب کا ناکام بنانے سے لیکر اس کو ختم کرنے،اسے کمزور کرنے،اس کو نابود کرنے کے خواب پہلے دن سے ہی دیکھے جانے لگے تھے اور قیام سے لیکر آج تک ان سازشوں کا سلسلہ رکا نہیں بلکہ زمانے کی ترقی،ٹیکنالوجی کے انقلاب سے یہ سازشیں مزید تیزی میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

17 سے 22 بہمن 1957 تک ایران نے دنیا کی سیاسی تاریخ میں ایک

غیر معمولی دور گزارا۔اس انقلاب کی تاریخ سے معلوم پڑتا ہے کہ پہلوی رجیم جسے امریکہ اور عالمی استعمار کی بھرپور مدد حاصل تھی کی پوری کوشش تھی کہ کسی طرح انقلاب کا راستہ روک سکیں،اس مقصد کیلئے یہ طے پایا کہ پہلوی فوج کے رہنما بغاوت کریں گے اور اقتدار پر قبضہ کر کے عوامی انقلاب کو دبا دیں گے۔ چنانچہ 21 بہمن 57 کو سہ پہر چار بجے سے مارشل لاء کا اعلان کر دیا گیا۔مارشل لاء کے اعلان کے بعد حضرت امام خمینی (رح) نے اعلان کیا کہ عوام مارشل لا کی طرف توجہ نہ دیں۔انقلابی عوام حکومتی اداروں،فوج اور قانون نافذ کرنے والے مراکز پر حملے کرتے رہے،اور تقریباً تمام اہم مراکز پر قبضہ کر لیا گیا جو بہت معمولی تنازعات اور مزاحمت کے ساتھ لوگوں کے ہاتھ لگ گئے۔یہ جھڑپیں اگلے دن بھی شدید طور پر جاری رہیں اور اس دن ہزاروں کی تعداد میں مرد و خواتین،بوڑھے اور جوانوں نے ظالم حکومت کا تختہ الٹنے کی پوری کوشش کی۔انہوں نے سڑکوں پر رکاوٹیں لگا کر،ٹینکوں

سخنرانی امام در فرودگاه

بانگ «الله اکبر» و «خمینی امام ماست» فرودگاه را به لرزه درآورد

امام آمد

اطلاعات

آخرین پیام امام خمینی در پاریس

پخش مستقیم تلویزیون

کے خلاف اپنے سینوں کو ڈھال بنا کر اور ایثار و قربانی سے انقلاب کو فتح تک پہنچایا۔نہ صرف تہران بلکہ ایران کے تمام شہروں میں لوگ شاہ کی حکومت کی باقیات سے ٹکراتے رہے۔جب عوامی بغاوت کو کچلنے کے لیے ایران کے مختلف شہروں سے فوجی دستوں کی تہران کی طرف نقل و حرکت کی خبر پھیلی تو راستے میں موجود شہروں کے لوگوں نے فوجی دستوں کے ساتھ جھڑپیں کیں اور انہیں تہران کی طرف بڑھنے سے روکنے کے لیے سڑک کو بند کر دیا۔فوج کے کچھ اعلیٰ کمانڈران تنازعات میں لوگوں کے ہاتھوں مارے گئے یہاں تک کہ فوج نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کیا۔یوں اپنی جدوجہد،قربانیوں اور اعلیٰ قیادت و رہبری کے زیر سایہ میدان میں نکلنے والوں کیلئے اپنی تقدیر لکھنے کا دن آیا اور 22 بہمن 1357 کو جبر کا بوسیدہ نظام منہدم ہو گیا اور اس اسلامی ملک سے سیاہ پہلوی خاندان کی کرپٹ جڑیں اکھڑ گئیں۔امام خمینی (رہ) کی قیادت میں ملت ایران کی تاریخی،بے مثال و بے نظیر جدوجہد کامیاب رہی اور ایران کے شاندار اسلامی انقلاب نے 2500 سال پرانے سامراجی نظام کا تختہ الٹ کر کامیابی حاصل کی۔

بانی انقلاب نے اس دن کو ایام اللہ سے تعبیر کیا،اہل ایران کو یہ دن مبارک ہو،آج اس اسلامی انقلاب کو چوالیس سال ہو گئے،اسلام ناب کا پرچم سربلند ہے اور سربلند رہیگا،اس کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے والوں کو اس انقلاب کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے،کہ اس کی بنیادوں میں کیسے کیسے پاکیزہ نفوس کا پاک خون شامل ہے،اس کو نابود کرنے کے خواب دیکھنے والے بہت سے نابود ہو چکے،ان کی ہڈیاں بھی نہیں ملتیں مگر یہ انقلاب اپنی تابندگی اور درخشندگی کیساتھ دنیا کے مظلوموں،محروموں،مجبوروں،کمزوروں کی نصرت و یاوری کرتے ہوئے دنیا سے ظلم کے خاتمہ کی عالمی جدوجہد کا علم اٹھائے انقلاب مہدویت کی راہیں ہموار کرتا رہیگا تاوقتیکہ فرزند زہرا،بقیۃ اللہ اعظم عج کو اذن ظہور نہیں مل جاتا اور وہ کمزور بنا دیئے گئے انسانوں کو حکومت دلوانے کیلئے ظاہر نہیں ہو جاتے۔

سلام بر شہدائے انقلاب اسلامی

سلام بر شہدائے دفاع مقدس،سلام بر شہدائے مکہ

سلام بر مدافعین حرمین،سلام بر شہدائے آزادی القدس،سلام بر قاسم سلیمانی،سلام بر جبہہ مقاومت،عراق،شام،یمن،لبنان،پاکستان و افغانستان

11 فروری 2023ء

مولود کعبہ امیرالمومنین علیؑ کی حیات مبارکہ
چند خصوصیات و اہم پہلو

تحریر: ارشاد حسین ناصر

امیرالمومنین علیؑ کی جائے ولادت و ادوار

مولائے کائنات حضرت علیؑ کے بارے معروف محدث و مورخ شیخ مفید نے لکھا ہے:: امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام مکہ میں مسجد الحرام کے اندر جمعہ کے دن تیرہ رجب کو متولد ہوئے۔ آپ ؑ کی ولادت کے وقت عام الفیل [وہ سال جس میں ابرہہ نے ہاتھیوں کے ذریعہ خانہ کعبہ پر حملہ کیا تھا] کے واقعہ کو تیس سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ آپ کے علاوہ نہ کوئی اور خانہ کعبہ میں متولد ہوا ہے نہ ہی کوئی اسکے بعد اس منزلت اور عظمت کو حاصل کر سکے گا۔

[الارشاد جلد 1 ص 5۔]

پیغمبر اکرمؐ عام الفیل کے سال متولد ہوئے تھے اور وفات کے موقع پر 63 سال کے تھے تو اس لحاظ سے آپ کی ولادت 569 سے 570 عیسوی بتائی گئی ہے اور حضرت علیؑ کی ولادت کے وقت پیغمبر اکرمؐ کی عمر شریف 30 سال لکھا گیا ہے تو اسی طرح حضرت علیؑ کی ولادت 599 عیسوی یا 600 عیسوی بنتی ہے۔] دانش نامہ امام علی ج 8 ص 12]

حضرت علی علیہ السلام کی خصوصیات میں سے ایک منفرد خصوصیت آپ کی خانہ کعبہ کے اندر ولادت ہے۔ یہ حضرت علی علیہ السلام کی مخصوص خصوصیت ہے نہ اس سے پہلے کسی کو یہ شرف نصیب ہوا ہے اور نہ اس کے بعد ہوگا۔ یہ کرامت اور معجزہ الہی ہے جو ذات احدیت نے دنیا کو دکھایا وہ بھی دروازے سے نہیں بلکہ خانہ کعبہ کی دیوار کو شق کر کے آپ کی والدہ کو اندر بلایا اور عمل ولادت، خانہ الہی کے اندر انجام پایا۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خدا کی خاص عنایات آپ کے اوپر تھیں۔

حضرت علی علیہ السلام ہاشمی خاندان کے وہ پہلے فرزند ہیں جن کے والد اور والدہ دونوں ہاشمی ہیں۔ آپ کے والد ابو طالب بن عبد المطلب بن ہاشم ہیں اور ماں فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہیں۔ ہاشمی خاندان قبیلہ قریش میں اور قریش تمام عربوں میں اخلاقی فضائل کے لحاظ سے مشہور و معروف تھے۔ جواں مردی، دلیری، شجاعت اور بہت سے فضائل بنی ہاشم سے مخصوص تھے اور یہ تمام فضائل حضرت علی علیہ السلام کی ذات مبارک میں بدرجہ اتم موجود تھے۔

روایات میں آیا ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب آیا تو آپ کی والدہ گرامی فاطمہ بنت اسد کعبہ کے پاس تشریف لائیں اور اپنے جسم کو اس کی دیوار سے مس کر کے عرض کیا: پروردگارا ! میں تجھ پر، تیرے نبیوں پر، تیری طرف سے نازل شدہ کتابوں پر اور اس مکان کی تعمیر کرنے والے، اپنے جد ابراہیم علیہ السلام کے کلام پر راسخ ایمان رکھتی ہوں۔

پروردگارا ! تجھے اس ذات کے احترام کا واسطہ جس نے اس مکان مقدس کی تعمیر کی اور اس بچہ کے حق کا واسطہ جو میرے شکم میں موجود ہے، اس کی ولادت کو میرے لئے آسان فرما، ابھی ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ کعبہ کی جنوب مشرقی دیوار، عباس بن عبد المطلب اور یزید بن تعف کی نظروں کے سامنے شگافتہ ہوئی، فاطمہ بنت اسد کعبہ میں داخل ہوئیں اور دیوار دوبارہ اصلی حالت میں متصل ہوگئی۔ فاطمہ بنت اسد تین دن تک روئے زمین کے اس سب سے مقدس مکان میں اللہ کی مہمان رہیں اور تیرہ رجب دس سال قبل از بعثت کو بچہ کی ولادت ہوئی۔ ولادت کے بعد جب فاطمہ بنت اسد نے کعبہ سے باہر آنا چاہا تو دیوار دوبارہ شگافتہ ہوئی، آپ کعبہ سے باہر تشریف لائیں اور فرمایا: میں نے غیب سے یہ پیغام سنا ہے کہ اس بچے کا نام

علی رکھنا ۔

حضرت علی علیہ السلام تین سال کی عمر تک اپنے والدین کے پاس رہے اور اس کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ گئے کائنات کے رسول نے ہی آپ کی تربیت فرمائی اور بچپن سے لیکر جوانی تک اور جوانی سے لیکر رسول خاتم کے اس دنیا سے ظاہری پردہ فرمانے تک مولائے کائنات نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا ا۔ اگر دقت نظر کی جائے تو رسول کا یہ ساتھ کربلا کے میدان میں فرزند زہرا و علیؑ بھی نبھاتے نظر آتے ہیں۔

ایک دن فاطمہ سلام اللہ علیہا پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنی تنگی اور ضعف کی شکایت کی۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: آیا تمہیں معلوم ہے کہ میرے نزدیک علیؑ کیا منزلت ہے؟ اس نے میرے اوامر کی اطاعت کی جبکہ وہ بارہ سال کے تھے، اسلام کے لئے تلوار چلانے میں پہل کی جبکہ سولہ سال کے تھے، بڑے بڑے بہادر اور پہلوان دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جبکہ وہ انیس سال کے تھے، بیس سال کی عمر میں اس نے میرے غم اور غصہ کو مٹایا اور میرے لئے مداوا بنے، بائیس سال کی عمر میں باب خیبر کو اکھاڑ پھینکا [جبکہ یہ دروازہ پچاس آدمیوں سے اٹھنا مشکل تھا] جب یہ سنا تو حضرت فاطمہ کا چہرہ مطہر نورانی ہوا اور پیغمبر اکرمؐ کے حضور نہ بیٹھ سکیں اٹھ کر حضرت علیؑ کے پاس گئیں اور سارا قصہ سنایا تو حضرت علیؑ نے فرمایا: اگر رسولؐ وہ تمام فضائل جو خدا نے مجھے عنایت فرمائے ہیں بتاتے تو تم کیا کرتیں۔ [بحار الانوار ج 40 ص 6۔]

تاریخ انسانیت کے سرسری جائزے سے بھی یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ بنی نوع آدم میں امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی شخصیت نا صرف گوناں گوں اور حیرت انگیز صلاحیتوں اور معجزات کی حامل ہی نہیں بلکہ ایک نہایت ہی غیر معمولی کردار اور ہمہ گیر (دیومالائی شہرت) کے طور پر سامنے آتی ہے۔ عیسائی، فلسفی شاعر اور ادیب خلیل جبران اپنے کتابچے ریت اور جھاگ میں مختلف موضوعات پہ خامہ سرائی کرتے ہوئے جب شخصیتوں کو زیر قلم لاتا ہے تو لکھتا ہے۔ اگر عرب کی سرزمین حضرت محمدؐ کے بعد معجزاتی انداز میں پیدا ہونے والے مکے کے سردار ابو طالبؑ کا بیٹا علیؑ پیدا نا ہوتا تو خالق کائنات کے اکثر مخفی اسرار اور آسمانی بھید زمین پر منکشف نا ہو پاتے۔ علیؑ سید البشر حضرت آدمؑ کی اولاد میں صرف وہ تنہا اور واحد ہستی ہیں جو حرم خدا میں پیدا ہوئے اور خدا کے گھر سے موت کی سوغات لے کر واپس اس کی جانب لوٹا۔ علیؑ جو بظاہر ایک امام اور نجات دہندہ ہستی نفس رسولؐ ہی ہیں اور یہی نہیں بلکہ ان کی ذات میں بے شمار شخصیتیں اور فضیلتیں بھی اکٹھی ہو گئی تھیں، کبھی وہ ایک عام مزدور کی طرح یہودیوں کے باغات میں مزدوری کرتے نظر آتے ہیں اور کبھی وہ حکومت الٰہیہ کا ایک حقیقی منتظم بن کے امت محمدیہ کی رہنمائی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، کبھی وہ اپنے خدا کی عبودیت میں ڈوب کے عبادت کی انتہا کرتے ہیں، کبھی راہ خدا مین اپنی شجاعت سے عرب کے مانے ہوئے شجاعت کے دیوؤں عمرو ابن عبدود اور مرحب جیسے طاقت کے پہاڑوں کے سر قلم کر کے اپنے بھائی رسول اکرمؐ کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں، کبھی مفکر اور فلسفی کے طور پر نہج البلاغہ کے مصنف دکھائی دیتے ہیں، کبھی وہ مٹی کی دیوار کو چشم زدن میں چاندی کی دیوار میں تبدیل کر دیتے ہیں اور کبھی قبروں میں مدتوں سے سوئے ہوئے مردوں کو زندہ کر کے ان سے ہمکلام ہوتے ہیں۔

بقول یورپی مفکر کارلائل کے، تاریخ انسانیت اور آدمؑ کی اولاد میں ڈھونڈنے سے بھی اور کوئی ایسا انسان نظر نہیں آئے گا جس میں انسانی صفات کے ساتھ خالق کائنات کی بھی جملہ صفات موجود ہوں، یہی نہیں بلکہ اس وقت کے لوگوں نے اپنے بتوں اور دیوتاؤں کی جن صفات اور معجزات کی اپنے تصوراتی گیان میں شیرازہ بندی کر رکھی تھی اور جن سے وہ فرضی روحانی فیوض بھی حاصل کرتے تھے۔ علیؑ نے دیوتاؤں کی ان جملہ تمام صفات کو حیرت انگیز طور پر اپنی ذات میں سمیٹ لیا تھا اور اپنے فضل اور اعمال کے کمالات سے لوگوں کی ضرورتوں، احتیاجوں اور چاہتوں کو سیراب کرتے رہتے تھے۔

خلافت ان کے پاس آئی تو بھی سادہ زندگی بسر کی، روکھی سوکھی پہ گزارا کیا، پیوند لگے کپڑے پہنے، حاکمیت اور حکمرانی کا فریضہ اپنے رب کی منشاء کے مطابق کچھ اس طرح ایمانداری اور دیانت داری سے ادا کیا کہ اپنے سگے بھائی کو معمول سے زیادہ امداد سے انکار سے ناراض کر لیا۔ انہوں نے اپنے مقرر کردہ حاکموں اور گورنروں کو اچھی طرح آگاہ کر دیا تھا کہ تمہارا یہ عہدہ اور منصب تمہاری ذاتی ملکیت نہیں بلکہ عوام کی امانت ہے۔ علیؑ نا صرف حکیمانہ اور آفاقی عالمانہ گفتار کے مالک ہی نہیں تھے بلکہ عوام الناس کی حقیقی دھڑکنوں، آرزوؤں اور امنگوں کی دستک ان کے کانوں میں برابر گونجتی رہتی تھی۔ وہ انصاف کو عدل کے ترازو میں تولتے تھے اور لوگوں کے اعمال کے پیچھے ان کی حقیقی تہوں کو بھی پہچانتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک روز آپ کے سگے بھائی عقیل نے مولا علیؑ سے بیت المال میں سے مدد کی درخواست کی علیؑ نے فرمایا روز جمعہ تک صبر کرو۔ عقیل نے روز جمعہ تک صبر کیا نماز جمعہ کے بعد مولا علیؑ نے عقیلؑ سے کہا یہ تمام مسلمان جو نماز جمعہ کے لئے جمع ہوئے ہیں ان کے ساتھ اگر کوئی شخص خیانت کرے تو اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ عقیلؑ نے کہا

ایسا کرنے والا بہت برا شخص ہوگا۔ مولیٰ نے فرمایا تو مدد کی درخواست کے ذریعے چاہتا ہے میں بیت المال میں سے تجھے تیرے حق سے زیادہ دوں یعنی مجھے حکم کر رہا ہے کہ ان مسلمانوں کے ساتھ خیانت کروں۔

☆ ایک اور واقعہ یوں رقم ہے ایک بزرگ شخص (بنام عاصم بن میثم) مولا کی خدمت میں آیا مولا بیت المال کی تقسیم میں مشغول تھے۔ مولا کے قریب آ کر کہنے لگا میں بوڑھا اور کام کرنے سے عاجز ہوں مجھے زیادہ دیں۔ مولا علی ؑ نے فرمایا: خدا کی قسم یہ مال میں نے مزدوری سے اکٹھا نہیں کیا اور نہ ہی مجھے اپنے باپ سے وراثت میں ملا ہے بلکہ یہ (مسلمانوں کی) امانت ہے۔ مجھ پر لازم ہے کہ حدود کی رعایت کروں۔ پس پیر مرد پر احسان کی خاطر حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا خدا اس پر اپنی رحمت نازل کرے جو اس ضعیف ناتواں کی مدد کرے اس طرح علیؑ کے کہنے پر بہت سے لوگوں نے اس بوڑھے شخص کی مدد کی۔

☆ عصر خلافت کے دوران چند ایرانی جو کہ عربوں کے غلام تھے اور مولا نے انہیں آزاد کرایا تھا کوفے میں موالی اور حمراء کے نام سے جانے جاتے تھے ہر روز مسجد میں آتے اور مولیٰ سے فیض حاصل کرتے۔ عربوں میں بہت سے انا پرست تھے مانند ''اشعث بن قیس'' جو عجمیوں کو حقیر سمجھتا تھا۔ مولا علیؑ سے کہنے لگا ''اے امیر المومنین ؑ یہ افراد (حمراء) تیرے سامنے ہمارے اوپر مسلط ہو گئے۔ آپ ان کا راستہ کیوں نہیں روکتے۔ میں ان کو روکوں گا اور دکھاؤں گا عرب کیسے ہوتے ہیں؟ حضرت علی ؑ نے فرمایا: یہ عرب جو کھا پی کر نرم بستر پر لیٹ جاتے ہیں اور حمراء (ایرانی) گرمی کے دنوں میں ضروریات زندگی کی خاطر محنت کرتے ہیں تم چاہتے ہو ان زحمت کشوں کو میں اپنے سے دور کر دوں ہرگز ایسا نہ ہو۔

آج کے بیدار مغز انسانوں کی روحیں ان کی محبت میں بیگانہ ہست و بود ہو کر خراج تحسین پیش کر رہی ہیں۔ یہ لوگ علیؑ اور اولاد محمدؑ کی عقیدت اور محبت میں اتنے سرشار اور ڈوبے ہوئے تھے کہ میثم کے قبیل کے لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا یہ جذبہ محبت یا تو ان کی روحوں کے مدارج کا صلہ ہے یا پھر علیؑ اور اولاد علیؑ کا فیض ہے کہ ان کے اکثر اشعار آج بھی زبان زد عام ہیں۔ ان سب شعرائے کرام اور اولیائے عظام کے مناقب اور قصائد کیلئے تو بہت سی کتابیں درکار ہیں۔

قارئین کی تواضع طبع کیلئے صرف اہل فارس کے کچھ شعرا کے ایک دو اشعار بمعہ ان کے تراجم کے رقم کرنے کی سعی کا افتخار حاصل کر رہا ہوں اور اردو شاعروں کے تذکرے سے گریز کیلئے معذرت خواہ ہوں کیونکہ اگر میں اردو زبان کے ان تمام قصائد اور منقبت گو سینکڑوں شعرا کا ذکر بھی ان صفحوں میں شامل کرتا تو مضمون بڑا طویل ہو جاتا لیکن پیشتر اس کے کہ میں ان اشعار کے تحریر کیئے جانے کا سلسلہ شروع کرتا اس ضمن میں عربی زبان میں لکھے جانے والے دو نہایت ہی مشہور قصائد کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

لاہور میں مدفون معروف صوفی بزرگ حضرت علی ہجویری گنج بخشؒ اپنی کتاب کشف المحجوب میں رقم طراز ہیں کہ جب مسلمانوں کی وسیع سلطنت کا حاکم وقت ہشام ابن عبد الملک حج کو گیا اور اس رکن حج کے تحت حجر اسود کو چومنے کی کوشش کی تو حاجیوں نے اژدہام اور بھیڑ کے باعث وہ ہزار ہا کوشش کے باوجود سنگ اسود تک نا پہنچ سکا اور آب زم زم کے قریب ایک چبوترے پہ بیٹھ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ ہجوم کم ہو تو وہ بوسہ لے سکے۔ اس کے اردگرد اس کے حکومتی مقربین حلقہ کیئے ہوئے بیٹھے تھے کہ ناگاہ سید الساجدین امام زین العابدینؑ تشریف لائے اور جب وہ حجر اسود کی طرف بڑھے تو ایکدم بھیڑ چھٹ گئی اور لوگوں نے احتراماً انہیں راستہ دے دیا۔ ایک مقرب خاص نے ہشام سے پوچھا، یہ شخص کون ہے جس کے احترام میں حجر اسود کے بوسے کے طلب میں بے قرار اور دیوانے لوگ اپنی جگہوں پر رک گئے ہیں، ہشام اگرچہ انہیں پہچان چکا تھا لیکن اس خیال کے ڈر سے کہ ان کے ساتھی کہیں اس کی پرعظمت اور پر ادب شخصیت سے مرعوب نا ہو جائیں۔ بڑی رعونت سے بولا، مجھے معلوم نہیں، اس وقت شاعر فرزوق جوان کے قریب ہی موجود تھا، ہشام کے اس تجاہل عامہ سے اس قدر بھڑک اٹھا اور وہ اپنے آپ پر قابو نا پاتے ہوئے ہشام کے گرد حلقہ کیئے لوگوں میں گھس کے ہشام سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگا، اگر تو نہیں جانتا کہ بزرگ کون تھے تو میں بتاتا ہوں کہ یہ کون ہے اور پھر لاتعداد اشعار کا ایک لافانی قصیدہ ان کے ہونٹوں پر بولنے لگا، سب حاضرین اور ہشام بھی سکتے میں تھے۔ فرزوق پر قصیدے کا مصرعے پہ مصرع وحی کی طرح ایسے نازل ہو رہا تھا کہ سمندر جوش میں ہے اور اس کے مضطرب سینے سے لہروں میں لہریں اٹھ رہی ہیں۔ وہ شعروں میں کہہ رہا تھا، یہ وہ شخص ہے جس کے

قدموں کی آہٹ حاجی تو کیا کعبے کے در و دیوار اور خود حجر اسود بھی پہچانتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ خدا کا یہ گھر جو خدا کی خدائی، اس کی وحدانیت کا مرکز ہے، اس آنے والے لاغر و کمزور شخص کے دادا کا زچہ خانہ بھی ہے۔ تیرے جاننے یا نہ جاننے سے اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا

دوسرا عربی قصیدہ جو حضرت محمد ابن ادریسؒ المشہور امام شافعی کا ہے۔ ان کے صرف دو تین اشعار درج کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

ان کان حب الولی رفضا　　　　فانتی ارفضی الطیادی

ترجمہ: اگر علیؑ کی محبت رفض ہے تو پھر میں تمام بندگان خدا سے زیادہ رافضی

ہوں

لوان المرتضیٰ ابدی محلہ　　　لکان الخلق طراسجدا اللہ

ترجمہ: اگر علیؑ اپنے رتبے کو ہی اپنے پہ ظاہر کر دیتے تو مخلوق ان کو سجدہ کرنے لگتی

ومات الشافعی فلیسی یدری　　　علی رب ام رب اللہ

ترجمہ: شافعی اس جستجو میں مرگیا کہ علیؑ اس کا خدا ہے یارب اس کا خدا ہے

بوعلی سیناؒ

درجان رواں بوئے مہر علی　　　چوں شیر وشکر درآمیختہ اند

ترجمہ: علیؑ کی محبت کی خوشبو میری روح میں یوں بسی ہوئی ہے جیسے دودھ اور شکر باہم ملے ہوئے ہوں۔

ابوقاسم فردوسیؒ

بنام نبیؐ و علیؑ گفتہ ام　　　گہرہائے معنی شفتہ ام

ترجمہ: میں نے نبیؐ اور علیؑ کے نام پر شاہنامہ لکھا ہے اور معانی کے موتی پروئے ہیں

حضرت شاہ شمس تبریزیؒ

۱) ہم آدم ہم شیش وہم ادریس وہم ایوب
ھم یونس وہم یوسف وہم علی بود

۲) در دو جہاں جملہ زا پیدا و پنہاں
شمس الحق تبریز کہ بنو د علی بود

ترجمہ: ۱) حضرت آدمؑ، حضرت شیثؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ایوبؑ نیز حضرت یونسؑ، حضرت یوسفؑ اور حضرت ہودؑ موجود تھے علیؑ بھی موجود تھے

۲) دونوں جہانوں میں جو شے پیدا ہوئی یا ابھی پیدا ہونا باقی ہے، اے شمس الحق تبریزی ان میں جو ظہور میں آئی وہ ذات علیؑ ہے

حضرت عثمان مروندی شہباز قلندرؒ

شاہ اقلیم حل اتی خوانم　　　مالک تخت قل کفی خوانم

صاحب سیف لافتیٰ خوانم　　　والیٔ تاج انمی خوانم

ترجمہ: میں مولا علیؑ کو سورہ دہر کی سلطنت کا بادشاہ مانتا ہوں اور قل کفیٰ کے تخت کا مالک سمجھتا ہوں۔ علیؑ جیسا شجاع کسی کو نہیں سمجھتا اور اسے نبی کے تاج کا والی گردانتا ہوں۔

شمس الدین خواجہ حافظ شیرازیؒ

بدستی نبیؐ و علیؑ اساس نہاد　　　جہان وہر چہ اُوست خالق جہاد

ترجمہ: خالق دوجہاں نے جس چیز کی بھی بنیاد رکھی اس کی اساس نبیؐ اور علیؑ کی دوستی پر رکھی

نوشتہ بر در فردوس کاتبان قضا　　　نبیؐ رسول و ولی عہد حیدر کرارؑ

ترجمہ: کاتبان قضا و قدر نے بہشت کے دروازوں پہ لکھ رکھا ہے کہ محمدؐ خدا کے رسول اور علیؑ ان کے ولی عہد ہیں

نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ بلخ کش

زمین وآسمان عرش وکرسی　　　علیؑ وولی، علی کل شی ءقدیر

علی اولیاء رادلیل برحق　　　علی اولیاء انبیاء رافقیرا

ترجمہ: زمین وآسمان عرش وکرسی سب اسی کے حکم کے تحت ہیں، علیؑ ہر شئے پر قادر ہے علیؑ سب اولیا دلیل برحق اور نبیوں کا مددگار ہے

امیر المومنین، خطیب منبر سلونی امام علی علیہ السلام کی تمام زندگی انسانوں کی رہنمائی کا بہترین راستہ واسوہ ہے، انسانوں کی نجات کا عنوان ہے، آپ کے خطبات کلمات قصار اور خطوط کی سب سے معتبر اور سند یافتہ کتاب نہج البلاغہ کا مطالعہ کرنے سے انسان بہت کچھ سیکھ سکتا ہے اور اسلامی تاریخ کے سخت و ناقابل بیان ادوار کی معمولی جھلک بھی دیکھ سکتا ہے، جارج جرداق عیسائی مصنف کی لکھی کتاب ندائے عدالت انسانی بھی ایک خوبصورت حق ادا کرتی کتاب ہے جس کے مطالعہ سے انسان کو بہت کچھ پڑھنے اور سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ امیر المومنین وارث نبی حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت اور آپ کا طرز زندگی تمام انسانیت کیلئے مشعل راہ ہے۔ اس عظیم ارفع و اعلیٰ مخلوق کی ممتاز صفات اور خصوصیات کی شناخت کے ساتھ ہی ہم گناہگاروں، دنیاداروں کی زندگی میں ایک تعمیری تبدیلی رونما ہوتی ہے اسی سے قرب الٰہی کے حصول کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔ ولی امرالمسلمین حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ خامنہ ای حضرت امام علی علیہ السلام کی توصیف میں فرماتے ہیں "امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سب کے لئے ایک مکمل نمونہ ہیں۔ ان کے کارناموں سے بھری جوانی، جوانوں کے لئے نمونہ عمل ہے۔ ان کی حکومت کا عدل و انصاف، حکمرانوں کے لئے عملی نمونہ ہے۔ ان کی سراپا مجاہدانہ اور ذمہ دارانہ زندگی، تمام مومنین کے لئے مشعل راہ ہے۔ ان کے حکمت آمیز بیانات وکلمات اور ان کے یادگار دروس علما، دانشوروں اور روشن خیال افراد کے لئے نمونہ عمل ہیں۔ اقوام متحدہ نے امام علیؑ کے اپنے گورنر مالک اشترؑ کو لکھے معروف خط کو انسانی حقوق کا چارٹر قرار دیا ہے۔

امام تقی جواد علیہ السلام حریم وحی کے پاسدار

تحریر: عبدالکریم نیا ترجمہ: اظہر حسن

ابتدائیہ:۔

نویں امام حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت 10 رجب المرجب 195ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپؑ کے والد ماجد جناب امام رضاؑ (امام ہشتمؑ) اور والدہ گرامی جناب سبیکہ ہیں اور ریحانہ اور خیزران بھی آپ کے دیگر اسماء گرامی میں سے ہیں۔ حضرت امام رضاؑ اپنے اصحاب کو اپنے فرزند گرامی قدر اور ان کی مادر گران قدر کے مقام ومنزلت کے بارے میں فرمایا کہ میں ایسے بچے کا باپ بن گیا ہوں جو حضرت موسیٰؑ کی طرح دریائے علم کو شگافتہ کرنے والا اور جس کی ماں حضرت عیسیٰؑ کی مانند قدسیہ و پاکیزہ ہے۔

نویں ہادی برحق سات سال کی عمر میں مسند امامت پر جلوہ فگن ہوئے اور سترہ سال تک تشیع کی ہدایت ورہبری فرمائی۔ آنحضرتؑ کا دور امامت مظالم عباسی خلفاء مامون اور معتصم کا ہم عصر تھا۔ حضرت امام جوادؑ بہترین انسانی و اخلاقی صفات میں صالحین عالم کے سردار تھے۔ تقویٰ و پارسائی، علم و دانش، بخشش وسخاوت کی وجہ سے آنجناب کو جواد، تقی، مرتضیٰ اور منتجب کے القابات سے یاد کیا جاتا ہے لیکن تمام القابات میں سے زیادہ مشہور لقب "ابن الرضاؑ" ہے جو امام رضاؑ کی عظمت و جلالت کی وجہ سے لوگوں میں مشہور ہوا۔ حتیٰ کہ آنحضرتؑ کے بعد بھی دسویں اور گیارہویں آئمہ کو بھی لوگ اسی لقب سے پکارتے تھے۔ امام رضاؑ اپنے اس فرزند کو "ابوجعفرؑ" کی کنیت سے مخاطب فرماتے تھے جو کہ آنحضرتؑ کے احترام کی علامت ہے۔

امام محمد تقیؑ جو کہ نوجوانی میں مسند رفیع امامت پر متمکن ہوئے تھے۔ 25 سال کی عمر میں عین جوانی میں معتصم عباسی کے حکم سے اور بے وفا بیوی ام فضل (جو کہ مامون کی بیٹی تھی) کے ذریعے شہر بغداد میں (زہر کے ذریعے) شہید کر دیئے گئے۔

حضرت امام جوادؑ کی دوسری بیوی سمانہ مغربیہ سے چار بیٹے جن کے نام ابوالحسن، امام علی نقیؑ اور ابو احمد حسین، ابوموسیٰ، عمران اور چار بیٹیاں جن کے فاطمہ، خدیجہ، ام کلثوم اور حکیمہ خاتون سے تھے۔ حکیمہ خاتون وہی بافضیلت خاتون ہیں کہ جو امام مہدیؑ کی ولادت کے وقت اپنے بھتیجے امام حسن عسکریؑ کے گھر میں موجود تھیں اور جناب نرجس خاتون کی نگاہ داشت فرما رہی تھیں۔

بہترین ترجمان قرآن:۔

ائمہ معصومینؑ کہ جو رسول خداؐ کے بعد حجت خدا ہیں اور جانشین پیغمبرؐ ہیں، بہترین ترجمان وحی ہیں اور قرآن کی تفسیر سے بہترین آشنائی رکھنے والی ہستیاں ہیں۔ اس بنا پر جب ہم قرآن کا معنی اور تفسیر معلوم کرنا چاہیں تو سب سے پہلے ائمہ ہدیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ یہ قرآن خطوط (حروف) پر مشتمل ہے اور اس جلد کے اندر پنہاں ہے۔ (صامت ہے) زبان سے گفتگو نہیں کرتا اور اس کو مفسر اور ترجمان کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد فرمایا نحن احق الناس یہ کہ ہم اہل بیتؑ اس کی تفسیر اور ترجمانی کے تمام لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں۔

امام باقرؑ نے آیہ شریفہ "وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم" کے بارے میں فرمایا (کہ اور اس قرآن کا معنی اللہ اور راسخین اور علم کے سوا کوئی نہیں جانتا) امام صادقؑ راسخین اور علم کے بارے میں فرماتے ہیں "نحن راسخون فی العلم ونحن نعلم تاویلہ" ہم اہل بیتؑ راسخین در علم ہیں اور ہم ہی قرآن کی تاویل سے آگاہ ہیں۔

پانچویں پیشوا (امام محمد باقرؑ) ہم اہل بیتؑ کے مقام ومنزلت کے بارے میں فرماتے ہیں "نحن تراجمۃ وحی اللہ" کہ ہم (اہل بیتؑ) ترجمان وحی الہی ہیں۔ امام صادقؑ اس آیہ "بل ھوا آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم" (کہ لیکن یہ قرآن واضح نشانی ہے جو اہل علم اور دانشوروں کے سینوں میں موجود ہے) کے بارے میں فرماتے ہیں، اہل علم سے مراد کہ جو علم تفسیر قرآن اپنے سینوں میں رکھتے ہیں ان سے مراد ائمہ معصومینؑ ہیں۔

مذکورہ بالا نکات کی روشنی میں کوشش کی گئی ہے کہ امام جوادؑ کی سیرت وکلام سے کچھ تفسیری نکات اور قرآنی مفاہیم کا استخراج کر کے مبلغین اور کاتبین کرام کی خدمت میں پیش کیئے جائیں تا کہ آنحضرتؑ کے تبلیغی طریق کار کی پیروی کرتے ہوئے آیات الہی سے بلند و عالی، مفاہیم سے آشنا ہو سکیں۔

ترویج آیات قرآن:۔

حضرت امام جوادؑ چاہتے تھے کہ آیات الہی معاشرے پر حکم فرما ہوں اور تمام مسلمان اپنے کردار گرفتار اور روزمرہ کے معاملات میں قرآن سے استدلال کریں اور قرآن سے راہنمائی حاصل کریں اسی وجہ سے آنحضرتؑ کوشش فرماتے تھے کہ لوگوں سے میل ملاقات میں اور گفتگو میں آیات قرآن سے استفادہ کریں۔ درج ذیل واقعہ اسی حقیقت کی ایک مثال ہے۔

قاسم ابن محسن کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مکہ گیا تو راستے میں مجھے ایک ضعیف شخص ملا ،اس نے مجھ سے تقاضا کیا کہ کچھ دوں، میں نے اس کو ایک روٹی صدقے میں دے دی اور پھر راستہ چلتا رہا۔ راستے میں تیز ہوا چلی اور میرا عمامہ اُڑا کر لے گئی۔ میں نے اس کو جتنا تلاش کیا نہ ملا۔ میں جب واپس آیا تو مدینہ میں امام جوادؑ کی زیارت کی۔ جب امامؑ سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اے قاسم! ہوا تیرا عمامہ اُڑا لے گئی؟ میں نے کہا ہاں! تو امامؑ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ جاؤ قاسم کا عمامہ لاؤ۔ تو خادم وہی میرا عمامہ لے کر آیا۔ میں نے بڑے تعجب سے

آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ اے فرزند رسولؐ یہ عمامہ آپؑ کے پاس کیسے پہنچا، تو امامؑ نے فرمایا کہ تو نے راستے میں ایک فقیر کو صدقہ دیا تو خداوند متعال نے تیری نیکی کو قبول کرلیا اور اس کے بدلے میں تیرا عمامہ تجھے واپس دے دیا۔ امام جوادؑ نے اپنے بیانات میں اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی کہ "ان اللہ لا یضیع اجرا لمحسنین" کہ بے شک اللہ نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

مسند امامت پر متمکن ایک بچہ:۔

کوفہ کے شیعیوں میں سے ایک شخص علی ابن اسباط، امام جوادؑ کے لڑکپن کے دنوں میں آنحضرتؐ کے پاس مشرف یاب ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کے قد وقامت کو دیکھ رہا تھا اور آنحضرتؐ کا قیافہ اور حرکات وسکنات کو بہتر طور پر بیان کرسکوں ٹھیک اُسی وقت جب یہ چیز میں سوچ رہا تھا تو امامؑ بیٹھے اور میری طرف توجہ فرمائی اور فرمایا، اے علی ابن اسباط خداوند عالم نے مسئلہ امامت میں جو کچھ کیا ہے وہ بالکل اسی کام کی طرح ہے کہ جو مسئلہ نبوت میں خداوند عالم نے انجام دیا تھا۔ قرآن میں ایک جگہ یہ فرمایا ہے کہ "وآتینا ہ الحکم صبیاً" کہ ہم نے (یحییٰ پیغمبر کو) لڑکپن میں حکم (نبوت) عطا فرمایا۔ اور ایک جگہ انسان کے بارے میں فرمایا کہ "حتیٰ اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ" حتیٰ کہ کمال قدرت اور عقل رشد کی حد تک پہنچ جائے اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو ان آیات کی روشنی میں جس طرح یہ ممکن ہے کہ ایک بچے کو حکمت عطا کرے۔ ایسے ہی اس کی قدرت میں ہے کہ اس کو چالیس سال کی عمر میں حکمت عطا کرے۔ اور اس طرح علی ابن اسباط کے ذہن سے مسئلہ امامت میں ہر طرح کا شک وشبہ زائل ہوگیا۔

مزید وضاحت کیلئے ایک روایت امام رضاؑ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن صفوان ابن یحییٰ نے حضرت امام رضاؑ سے عرض کیا کہ آپ اپنے فرزند ابوجعفر کی ولادت سے قبل فرمایا کرتے تھے کہ خداوند عالم مجھے فرزند عطا فرمائے گا تو اب جبکہ خداوند عالم نے آپ کو فرزند عطا فرمایا ہے اور اس کے جمال سے ہماری آنکھیں روشن ہورہی ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ اگر خدانہ کرے اگر آپ کو کچھ ہوگیا تو ہم کس کی طرف رجوع کریں گے؟

امام رضاؑ نے اپنے فرزند امام جوادؑ جو کہ آپؑ کے سامنے تشریف فرما تھے اشارہ فرمایا تو صفوان ابن یحییٰ نے کہ یہ تو تین سال کے بچے ہیں؟ (یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک بچہ امام ہو)، امام رضاؑ نے فرمایا "ومایضرہ من وذالک شی قد قام عیسیٰ بالحجۃ وھو ابن ثلاث سنین" یعنی ان کا بچہ ہونا ان کی امامت کیلئے رکاوٹ نہیں ہے۔ عیسیٰؑ نے تین سال کی عمر میں نبوت پائی تھی۔

علی ابن اسباط کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے امام جوادؑ سے عرض کیا کہ اے میرے مولاؑ، لوگ آپؑ کی کم سنی پر اعتراض کرتے ہیں اور اس طرح آپؑ کی امامت کو قبول نہیں کرتے تو امامؑ نے جواب میں فرمایا کہ لوگ مجھ پر یہ اعتراض کیوں کرتے ہیں؟ خدا کی قسم! خداوند متعال نے اپنے پیغمبر کو ارشاد فرمایا "قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا من اتبعنی"۔ (اے رسولؐ) کہہ دو کہ یہ میرا راستہ ہے، اور میں اور ہر وہ شخص کہ جو میرا پیرو کار ہو کامل بصیرت کے ساتھ (تمام لوگوں کو) خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں، صدر اسلام میں علیؑ کے علاوہ کسی اور نے رسول اللہؐ کی پیروی نہیں کی اور حضرت علیؑ کی عمر اس وقت نو سال تھی اور اس وقت میری عمر بھی نو سال ہے اور میں مکمل بصیرت کے ساتھ لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں۔

قرآن کی قسمیں:۔

انسانی معاشروں کی ترقی کا ایک سبب یہ ہے کہ افراد کو علم ودانش کی طرف متحرک کرنا ہے۔ قرآن کریم نے مختلف طریقوں سے انسانوں کو غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ ان طریقوں میں سے ایک طریقہ قرآن مجید نے جو قسمیں کھائی ہیں۔ عام طور پر مقدس ترین یا منزلت اشیاء کی قسم کھائی جاتی ہے۔

خداوند متعال نے اپنی مقدس کتاب میں کئی مقامات پر بھی چیزوں کی قسم کھائی ہے جیسے رات، دن، ستارے، سورج اور چاند اور دیگر اشیاء کی قسم کھائی ہے۔ علی ابن مہریار خداوند متعال کی قسموں کے بارے میں امام جوادؑ سے سوال کرتے ہیں اور اس سے ایک نکتہ نقل کرتے ہیں اور یہ نکتہ دقت اور تجزیے کے قابل ہے۔ انہوں نے ایک دن امام جوادؑ سے سوال کیا کہ قرآن میں چھ قسمیں ذکر ہوئی ہیں جیسے "واللیل اذا یغشیٰ و النھار اذا تجلیٰ والنجم اذا ھویٰ" اس کے علاوہ دیگر چیزیں تو خداوند عالم نے قرآن میں ان چیزوں کی کیوں قسم کھائی ہے؟ تو امامؑ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم انسان کی عقل وفکر کو تحریک دینے کی خاطر کسی بھی چیز کی قسم کھاسکتا ہے لیکن لوگوں کو خداوند عالم کی ذات کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھانے کی اجازت نہیں ہے۔

آیات الٰہی کے ذریعے گمراہ لوگوں کی ہدایت:۔

قاسم ابن عبد الرحمان زیدی مذہب کی طرف رجحان رکھتا تھا لیکن جب انہوں نے امام جوادؑ سے کچھ آیات کی تلاوت سنی تو حقیقت سے آشنا ہوئے اور امام جوادؑ اور 4 باقی تمام ائمہ کی امامت کے معتقد ہوگئے۔ وہ خود اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایک زمانے میں زیدی مذہب کی طرف رجحان رکھتا تھا اور اس دوران میں نے ایک دن بغداد کا سفر کیا اور ایک دن میں نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک سڑک پر بہت زیادہ ہجوم ہے۔ بعض لوگ اونچی جگہوں پر چڑھ رہے ہیں اور بعض لوگ دوڑ رہے تھے اور بعض کھڑے ہوکر دیکھ رہے تھے تو میں نے پوچھا کہ یہاں کیا ہورہا ہے؟ تو کہا گیا کہ ابن الرضاؑ (یعنی امام جوادؑ) آرہے ہیں۔ بعض نے کہا کہ مجھے بھی انہیں دیکھنا چاہیئے، تو تھوڑی دیر بعد امام جوادؑ ظاہر ہوئے کہ خچر پر سوار تھے، میں انہیں دیکھ رہا تھا کہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ خداوند متعال امامیہ کو اپنی رحمت سے دور کرے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اس جوان کی اطاعت ہم پر واجب ہے، جیسے ہی یہ بات میرے ذہن میں آئی امام جوادؑ نے فوراً اپنا راستہ چھوڑ دیا اور میری طرف بڑھنے لگے اور میری طرف رخ کرکے اس آیہ کی تلاوت فرمائی "ابشرا مناواحدا نتبعہ اذا لفی ضلال وسعر" (قوم ثمود نے کہا) کہ کیا ہم اپنے جیسے بشر کی اتباع کریں؟ اگر ایسے کیا تو ہم گمراہی اور جنون میں سرگردان رہیں گے، اس آیہ کو سن کر (میرا دل بھی گواہی دینے لگا اور) میں نے خود سے کہا شاید یہ جادوگر اور پیش گوئیاں کرنے والا ہے اور میرے اندر کی خبریں دیتا ہے تو حضرت جوادؑ نے دوبارہ مجھے خطاب فرمایا کہ

"ءالقی الذکر علیہ من بیننا بل ھو کذب اشر"، کہ کیا ہم میں سے صرف اُس پر وحی نازل ہوتی ہے؟ نہیں بلکہ وہ جھوٹا اور خود پسند ہے۔ جب میں متوجہ ہوا کہ حضرت جوادؑ میرے قلبی خیالات کو بیان کررہے ہیں اور یہ چیز عام انسان کیلئے ممکن نہیں ہے تو مجھے پتہ چل گیا کہ وہ ولی خدا اور مسلمانوں کے امام ہیں۔ تو میں مذہب زیدیہ سے تائب ہوکر ان کی امامت کا معترف ومعتقد ہوگیا۔

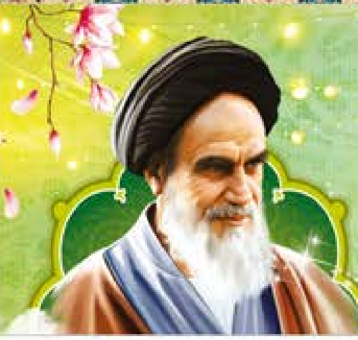

انقلابی علما کے ناخلف بیٹوں کی سزائیں
اسلامی انقلاب کی حقانیت کی ایک بڑی دلیل

سید رمیز الحسن موسوی

یہ مضمون چند سال قبل انقلاب کی سالگرہ کے موقعہ پہ لکھا گیا جس میں ہم نے انقلاب کے ایک منفرد پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، یہ پہلو شائد اس سے قبل اہل پاکستان کیلئے پوشیدہ رہا ہو، ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی اشاعت کے بعد بہت سے بدزبانوں کو خاموشی کا تالہ لگ جائے گا بالخصوص جنہیں انقلاب کے مسئولین میں کیڑے نکالنے کے ماسوا کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا، جو لوگ سمجھتے ہیں کہ آج انقلاب کے خلاف استعمار کیلئے کام کرنے والوں اور فسادیوں کو لٹکایا گیا ہے یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ہیں انہیں یاد کروانا ضروری سمجھتے ہیں کہ انقلاب کسی بڑے نامی گرامی کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کا آئین و قانون اساسی ہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کا جرم کیسی سزا کا مستوجب ہے۔ ادارہ

ایران کا اسلامی انقلاب اس صدی میں دنیا کا واحد انقلاب ہے کہ جس کی حقانیت پر بے شمار دلائل موجود ہیں اور جس کے استحکام اور ثبات کا اعتراف دشمن بھی کرتے ہیں۔ یہ اس انقلاب کی حقانیت اور اسلامی ہونے پر اس کے مسئولین اور انقلابی رہنماؤں کا اٹل ایمان ہی ہے کہ جس نے دنیا بھر کی سازشوں کے مقابلے میں چالیس سال سے اس انقلاب کو قائم رکھے ہوئے ہے اور آج چار دہائیوں کے بعد بھی اسلامی انقلاب کے خلاف ہونے والے سازشوں کے بعد اس انقلاب کے موجودہ رہبر حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای حالیہ فسادات اور شورش کے بعد اس انقلاب کے استحکام اور ثبات کے بارے میں پورے اطمینان کے ساتھ کہتے ہیں کہ ”میں اس انقلاب کا مستقبل پہلے سے کہیں زیادہ روشن دیکھ رہا ہوں“۔

یہ کون سی طاقت ہے کہ جس نے اس انقلاب کو دنیا بھر کی سامراجی قوتوں کے مقابلے میں غیر معمولی استحکام عطا کیا ہوا ہے۔ اگر ہم اس انقلاب کی چالیس سالہ تاریخ پر نظر دوڑائیں تو اس میں ہمیں بہت سے ایسے عجیب و غریب واقعات دیکھنے کو ملیں گے کہ جن کی مثال شاید صدر اسلام کے علاوہ کہیں اور نظر نہ آئے۔ صدر اسلام میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ غیر معمولی روحانی شخصیت تھی کہ جس سے متاثر ہو کر جاہل عربوں نے اپنے خونی رشتے تک فراموش کر دیئے تھے اور اسلام کی حفاظت و استحکام کی خاطر بھائی نے بھائی اور باپ نے بیٹے تک کو اپنے ہاتھوں سے قربان کر دیا تھا اور ماؤں نے اپنے بیٹے دین کی حفاظت کے لئے فدا کر دیئے تھے۔ اسلامی انقلاب کے دوران بھی ہم نے دیکھا کہ لاکھوں جوانوں نے اپنی جانیں اس انقلاب کی خاطر قربان کیں اور ہزاروں ماؤں نے اپنے بیٹے قائد انقلاب کے ایک اشارے پر موت کے لئے حاضر کر دیئے تھے۔

اسلامی انقلاب کی تاریخ کے بے شمار ناقابل فراموش واقعات میں سے چند واقعات ایسے ہیں کہ جو اس انقلاب پر انقلابی علمائے دین کے بے مثال ایمان کی دلیل ہیں۔ بے شک اس انقلاب کے دوران اور اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے بعد آٹھ سالہ جنگ میں اور پھر بیرونی سازشوں کا مقابلہ کرتے ہوئے لاکھوں نوجوانوں نے اپنی جانیں قربان کی ہیں جن کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور عراق سے لیکر سوریہ تک داعش جیسی انقلاب و اسلام دشمن طاقت کے مقابلے میں پوری دنیا کے جوانوں کی قربانیاں اس کی واضح دلیل ہیں۔ لیکن انقلاب اور اسلامی نظام کی حفاظت کے لئے بعض انقلابی علما اور مسئولین کا اپنے بعض ناخلف بیٹوں کو قانون کے حوالے کرنے اور انہیں انصاف کی سولی پر چڑھانے کے واقعات بہت ہی غیر معمولی ہیں جن کی مثال فقط اسی انقلاب میں مل سکتی ہے۔ یہاں انقلاب اسلامی کی سالگرہ کے بہانے چند ایسے واقعات قارئین کی نذر کئے جاتے ہیں جو اس انقلاب کی حقانیت اور اسلامی و دینی ماہیت کی سب سے بڑی دلیل ہیں۔

انقلاب کے دوران اور انقلاب کے بعد جب چند انقلابی شخصیات اور علمائے دین کے گھرانے کے ایک فرد یا چند افراد کی طرف سے اسلامی

انقلاب کے خلاف سازشوں اور دشمنی پر مبنی طرز عمل ظاہر ہوا تو ان انقلابی علماء نے اسلامی نظام کی حفاظت کی خاطر اپنے لخت جگر تختہ دار کے حوالے کر دیئے تھے یا کم از کم ان کے خلاف عدالت اسلامی کا حکم دائر کرنے کے لئے خود اقدام کیا تھا ۔اس سلسلے میں چند واقعات یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔حسین اگر اسلحہ اٹھائے تو اسے گولی مار دو

انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد جب ۱۳۵۹ شمسی میں اسلامی حکومت کے پہلے صدر ابوالحسن بنی صدر کی انقلاب کے خلاف سازشیں برملا ہونی شروع ہوئیں تو اس وقت امام خمینیؒ کے بڑے پوتے سید حسین خمینی نے جو کہ شہید آیت اللہ مصطفی خمینی کے بڑے فرزند ہیں، کی جانب سے بنی صدر کی حمایت کی گئی اور سید حسین خمینی نے مشہد مقدس میں بنی صدر کی حمایت میں تقریر کی ۔اس وقت انقلابی قوتوں کو سخت دھچکا لگا اور عوام نے اس کے خلاف احتجاج کیا تو سید حسین خمینی نے اسلحہ نکال لیا، جس کی خبر جب امام خمینیؒ تک پہنچی تو امامؒ نے بلافاصلہ حکم دیا کہ سید حسین کو فوراً تہران لایا جائے اور اس کے خلاف بغیر کسی خاندانی لحاظ اور امامؒ کے ساتھ نسبت کی رعایت کے قانونی کاروائی کی جائے ۔امام خمینیؒ نے انقلابی پولیس کو حکم دیا کہ سید حسین کو فوراً گرفتار کر کے تہران لایا جائے اور اگر اس نے اسلحہ وغیرہ استعمال کرنے کی کوشش کی تو اسے گولی ماردی جائے ۔یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں اسلامی نظام کی حفاظت اُن کے پوتے سے بڑھ کر ہے اور اگر یہاں ان کا پوتا قربان ہوتا ہے تو ہو جائے لیکن اسلامی نظام پر آنچ نہیں آنی چاہیے۔

۲۔بیٹوں کے لئے پھانسی کا حکم

آیت اللہ محمدی گیلانی مرحوم کا شمار نامور انقلابی علما میں ہوتا ہے جو شروع انقلاب سے قضاوت کے بہت ہی حساس عہدوں پر فائز رہے ہیں ۔آیت اللہ محمد محمدی گیلانی امام خمینیؒ اور علامہ طباطبائیؒ کے شاگردوں میں سے تھے، وہ حوزہ علمیہ قم میں جامعہ مدرسین کے رکن اور بہت سی دینی وعلمی کتابوں کے مصنف بھی ہیں ۔اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد امام خمینی کی جانب سے انہیں مختلف عہدوں کی ذمہ داری سونپی گئی تھی وہ اسلامی و انقلابی عدالتوں کے سربراہ بنائے گئے اور یونیورسٹیوں میں بھی امام خمینی کے نمائندے کے طور پر کام کرتے رہے ہیں ۔اور چار بار مجلس خبرگان کے رکن بنے ہیں اسی طرح قوہ قضائیہ کے مشاور بھی بنے ہیں ۔۱۳۸۸ شمسی میں انہیں صدر احمدی نژاد کی حکومت کی طرف سے اعلی درجے کا عدالتی نشان عطا کیا تھا۔ان کے بارے میں مشہور ہے کہ جب اسلامی احکام کے بارے میں انحراف وگمراہی کی بات سامنے آئی تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو بھی عدالت اسلامی میں لاکھڑا کیا اور ان پر انقلابی عدالت میں مقدمہ چلایا۔یہ اس وقت کی بات ہے جب آیت اللہ محمدی گیلانی امام خمینی کے حکم سے انقلابی عدالتوں کے سربراہ تھے ۔ابھی انقلاب اسلامی کی کامیابی کے تین سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ ۱۳۶۰ شمسی میں انہیں پتا چلا کہ ان کے دو بیٹے منافقین خلق کے گروہ میں شامل ہو گئے ہیں اور انقلاب دشمن اور حکومت مخالف سرگرمیوں میں ملوث ہیں ۔اس دوران وہ بہت سے فسادات میں بھی شریک رہنے کی وجہ سے گرفتار ہو چکے ہیں اور ان کا کیس انقلابی عدالت میں آچکا ہے ۔اس وقت آیت اللہ گیلانی مرحوم فوراً اپنے بیٹوں کے مقدمات کو نپٹاتے ہیں اور ان کے لئے پھانسی کا حکم صادر کرتے ہیں ۔انقلاب اسلامی سے متعلق لکھنے والے ایک محقق محمد رضا سرشار کے مطابق جب انقلابی گارڈ آیت اللہ گیلانی کے حکم کی تکمیل میں حیل وحجت سے کام لیتے ہیں تو آیت اللہ خود اپنے بیٹوں کے پھانسی کے حکم کو اجرا کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اس وقت انقلابی گارڈ ان کی طرف سے جاری کئے گئے احکام کی تکمیل کرتے ہیں تا کہ کہیں باپ کے ہاتھوں بیٹے پھانسی نہ لگ جائیں ۔(بحوالہ: جہان نیوز)

۳۔بیٹے کی گرفتاری میں معاونت

آیت اللہ حسنی امام جمعہ ارومیہ کا بڑا بیٹا رشید حسنی اسلامی انقلاب کی فتح کے بعد اچانک منحرف ہو جاتا ہے اور انقلاب مخالف گروہ سازمان فدائیان خلق میں شامل ہو کر ان کا کمانڈر بن جاتا ہے ۔اسی دوران مغربی آذربایجان میں

منافقین کی اس تنظیم کا سربراہ بن جاتا ہے۔ جب آیت اللہ حسنی کو پتا چلتا ہے کہ ان کا منحرف بیٹا تہران میں مخفی ہے اور انقلاب مخالف سرگرمیاں انجام دے رہا ہے تو وہ اس کے مخفی شدہ مقام کا پتا لگانے کے بعد اس کی گرفتاری کا حکم دیتے ہیں۔ وہ اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں: ہم نے اس کی مخفی گاہ کا پتا پا لگایا اور تہران کی انقلابی کمیٹی کے سربراہ آیت اللہ مہدوی کنی سے رابطہ کیا اور اس سے کہا: ایک منحرف شخص ہے چند مسلح افراد کو بھیجیں، میں نے نہیں کہا میرا بیٹا ہے۔۔۔ میں نے کہا اگر وہ مقابلے پر اتر آئے یا فرار کی کوشش کرے تو اسے مار دیں اور فرار نہ ہونے دیں اور اگر تسلیم ہو جائے تو اسے گرفتار کر کے انقلابی عدالت کے حوالے کر دیں۔ بعد میں اسے گرفتار کر لیا جاتا ہے۔

شہر ارومیہ کے امام جمعہ اس کے بعد مزید لکھتے ہیں: رشید کو بعد میں پوچھ گچھ اور محاکمے کے لئے تبریز منتقل کیا جاتا ہے چونکہ اس کی انقلاب مخالف سرگرمیوں کا مقام آذربایجان تھا لہٰذا اسی شہر میں اس پر کیس چلتا ہے اور اسے پھانسی کا حکم دیا جاتا ہے اور اسے پھانسی دے دی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں بعد میں بھی انھوں نے کسی قسم کی پشیمانی کا اظہار نہیں کیا لہٰذا لکھتے ہیں: جب رشید کی پھانسی کی خبر مجھے ملی میں ذرہ بھر پریشان نہیں ہوا چونکہ میں نے اپنے فریضے پر عمل کیا تھا، میں اسلامی انقلاب کے بارے میں کسی شخص حتیٰ اپنے بیٹے کے بارے میں بھی غیر سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی میں نے کسی کے ساتھ عقد اخوت قائم کیا ہوا ہے۔ اب بھی خدا نہ کرے اگر میرا کوئی بیٹا انقلاب اور رہبر انقلاب کے خلاف سرگرم ہوگا تو اس کے ساتھ بھی وہی کروں گا جو رشید کے ساتھ کیا تھا۔

۴۔ بیٹے کی گرفتاری اور پھانسی کے لئے چالیس روزوں کی نذر

آیت اللہ جنتی کہ جن کی انقلاب اسلامی کے لئے خدمات کی ایک تاریخ ہے اور اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد اب تک وہ اس نظام کے کلیدی عہدوں پر فائز رہے ہیں اپنے کام میں دقیق نظر اور سخت محنت کی وجہ سے ہمیشہ امام خمینیؒ اور رہبر انقلاب آیت اللہ خامنہ ای کے مورد اعتماد رہے ہیں اور انھوں نے بھی اس اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچائی اور اپنے مقام و منصب سے معمولی سا بھی غلط فائدہ نہیں اٹھایا۔ جس کی وجہ سے بہت ہی حساس آزمائشوں سے سرخرو ہو کر نکلے ہیں۔ ان کی ایک سخت ترین آزمائش اس وقت ہوئی تھی جب وہ اولاد کے فتنے اور امتحان میں مبتلا ہوئے تھے۔ اس سخت ترین مرحلے میں انھوں نے حقیقی علمائے حق اور انقلابی شخصیات کی طرح اپنے مقام و منصب سے ذرہ بھی استفادہ نہیں کیا اور اپنے خطا کار و مجرم بیٹے کو اسلامی نظام کی بقا پر قربان کر دیا۔

محمد حسین جنتی، آیت اللہ جنتی کا بیٹا ہے کہ جو انقلاب سے کئی سال پہلے مجاہدین خلق تنظیم کا رکن بن چکا تھا اور اس نے اس تنظیم میں رہ کر شاہی نظام کے خلاف کافی جدوجہد کی تھی۔ لیکن اسلامی انقلاب کی فتح کے بعد اور اس تنظیم کی منافقانہ سرگرمیوں اور اسلام و انقلاب مخالف اقدامات کے بعد بھی وہ اس تنظیم سے جدا نہیں ہوا۔ وہ مسلسل اس تنظیم کے دستورات کی پیروی کرتے ہوئے اسلامی نظام کے خلاف برسرپیکار رہا۔ یہاں تک کہ جب اس منافق تنظیم نے اسلامی حکومت کے خلاف مسلحانہ جنگ کا اعلان کیا تو اس تنظیم کے اراکین کے خلاف اقدام اسلامی حکومت کا اہم ترین فریضہ تھا تاکہ شاہی نظام کے بعد مسلمان انقلابیوں کی جدوجہد اور قربانیوں کی حفاظت کی جا سکے اور انقلاب کا نتیجہ امریکہ و اسرائیل سے وابستہ گروہوں کے حق میں نہ نکلے۔ اس وقت آیت اللہ جنتی نے کمال جرائت و شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے منافق بیٹے کو بچانے کے بجائے اسلامی نظام کی حفاظت کو اپنا اولین فریضہ سمجھا اور محمد حسین جنتی کے پاسداران انقلاب اسلامی کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے جانے پر ذرہ بھر دکھ کا اظہار نہیں بلکہ اس امتحان میں سرخرو ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس سلسلے میں یہاں تک کہا جاتا ہے کہ آیت اللہ جنتی نے نذر کی ہوئی تھی کہ اگر ان کا اسلامی انقلاب کے راستے سے منحرف بیٹا کہ جو فرار ہو چکا ہے پکڑا جائے یا پھانسی کی سزا پا لے تو وہ چالیس دن روزہ رکھیں گے۔

۵۔ بیٹوں کی گرفتاری پر پاسداران انقلاب کا شکریہ

امام موسیٰ ابن جعفرؑ
حیات و زندگانی کے گوشے

انتخاب: ید اللہ

موسیٰ بن جعفر (128 ـ 183 ھ)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے نام اور کاظم و باب الحوائج کے لقب سے مشہور، شیعوں کے ساتویں امام ہیں۔ سنہ 128 ھ میں بنی امیہ سے بنی عباس کی طرف حکومت کی منتقلی کے دوران آپ کی ولادت ہوئی اور سنہ 148 ھ میں اپنے والد امام جعفر صادقؑ کی شہادت کے بعد منصب امامت پر فائز ہوئے۔ آپ کی 35 سالہ امامت کے دوران بنی عباس کے خلفاء منصور دوانقی، ہادی، مہدی اور ہارون رشید برسر اقتدار رہے۔ منصور عباسی اور مہدی عباسی کے دور خلافت میں آپ نے کئی مرتبہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور سنہ 183 ھ میں سندی بن شاہک کے زندان میں جام شہادت نوش کیا اور منصب امامت آپ کے فرزند امام علی رضا علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گیا۔

آپؑ کی زندگی بنی عباس کے اقتدار کے عروج کے زمانے میں گزری ہے۔ اس بنا پر آپ تقیہ سے کام لیتے اور اپنے پیروکاروں کو بھی تقیہ کرنے کی سفارش کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی زندگی میں نہ بنی عباس کے حکمرانوں کے خلاف کوئی ٹھوس اقدام دیکھنے میں آتے ہیں اور نہ ان کے مقابلے میں چلائی جانے والی علوی تحریکوں جیسے قیام شہید فخ وغیرہ کی صریح حمایت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود آپ بنی عباس اور دیگر افراد کے ساتھ ہونے والے مناظرات اور علمی بحث و مباحثوں میں بنی عباس سے خلافت کی مشروعیت کو سلب کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔

اسی طرح عیسائی اور یہودی علماء کے ساتھ بھی آپؑ کے مختلف مناظرات اور علمی گفتگو تاریخی اور حدیثی منابع میں ذکر ہوئے ہیں۔ دوسرے ادیان و مذاہب کے علماء کے ساتھ آپؑ کے مناظرات مدمقابل کے پوچھے گئے سوالات اور اعتراضات کے جواب پر مشتمل ہوا کرتے تھے۔ مسند الامام الکاظمؑ میں آپ سے منقول 3000 ہزار سے زائد احادیث جمع کی گئی ہیں جن میں سے بعض احادیث کو اصحاب اجماع میں سے بعض نے نقل کیا ہے۔

اسی طرح آپ نے نظام وکالت کی تشکیل اور اسے مختلف علاقوں میں وسعت دینے کیلئے مختلف افراد کو وکیل کے عنوان سے ان علاقوں میں مقرر کیا تھا۔ دوسری طرف سے آپؑ کی زندگی شیعہ مذہب میں مختلف گروہوں کے ظہور کے ساتھ ہم زمان تھی اور اسماعیلیہ، فطحیہ اور ناووسیہ جیسے فرقے آپ کی حیات مبارکہ ہی میں وجود میں آگئے تھے جبکہ واقفیہ نامی فرقہ آپ کی شہادت کے بعد وجود میں آیا۔

شیعہ و سنی منابع آپ کے علم، عبادت، بردباری اور سخاوت کی تعریف و تمجید کے ساتھ ساتھ آپ کو کاظم اور عبد صالح کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ بزرگان اہل سنت آپ کا ایک دین شناس ہونے کے عنوان سے احترام کرتے ہیں اور شیعوں کی طرح بعض اہل سنت بھی آپ کی زیارت کیلئے جاتے ہیں۔ آپ کا

مزار آپ کے پوتے امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ شمال بغداد میں واقع ہے جو اس وقت حرم کاظمین کے نام سے مشہور مسلمانوں خاص طور پر شیعوں کی زیارت گاہ ہے۔

نسب، کنیت ولقب

نسب: موسی بن جعفر بن محمد بن علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب۔

کنیت: ابوابراہیم، ابوالحسن اور ابوعلی۔

لقب: آپ کو دوسروں کے سامنے غصہ پی جانے کی بنا پر کاظم اور کثرتِ عبادت کی وجہ سے عبد صالح کا لقب دیا گیا۔ باب الحوائج نیز آپ کے القاب میں سے ہے۔ اور مدینے کے لوگ انہیں زین المجتہدین کے لقب سے یاد کرتے۔

اہل سنت کے مشہور عالم ابن حجر ہیثمی (م 974ھ) رقمطراز ہیں: آپ بہت زیادہ درگذر کرنے اور بردباری کی وجہ سے کاظم کہلائے اور عراقیوں کے نزدیک باب الحوائج عنداللہ (یعنی اللہ کے نزدیک حاجات کی برآوری کرنے والے) کے عنوان سے مشہور تھے اور اپنے زمانے کی عابدترین، داناترین، عالم ترین اور انتہائی فیاض شخصیت کے مالک تھے۔

امام موسی کاظمؑ نے بروز اتوار 7 صفر سنہ 127 یا 128 ہجری میں مکہ و مدینہ کے درمیان ابواء نامی مقام پر اس وقت دنیا میں قدم رکھا جب حضرت امام جعفر صادقؑ اپنی زوجہ کے ہمراہ حج سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ تاہم بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ آپؑ 129ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے ہیں۔

کتاب محاسن میں برقی کی روایت کے مطابق، امام صادقؑ نے اس نومولود کی ولادت کے بعد تین دن تک عمومی ضیافت کا بندوبست کیا۔

روز ولادت میں اختلاف ہے بعض نے مہینے اور دن کے بغیر صرف مقام ولادت ذکر کیا ہے لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ طبری نے ان کی ولادت ماہ ذی الحجہ اور بعض جیسے طبرسی 7 صفر میں نقل کی ہے۔ مام موسی کاظم کی اولاد آپ کی ازواج کی تعداد واضح نہیں ہے لیکن منقول ہے کہ ان میں سب سے پہلی خاتون امام رضاؑ کی والدہ نجمہ خاتون ہیں۔ آپ کے فرزندوں کی تعداد کے بارے میں تاریخی روایات مختلف ہیں۔ شیخ مفید کا کہنا ہے کہ امام کاظمؑ کی 37 اولاد ہیں جن میں 18 بیٹے اور 19 بیٹیاں شامل ہیں: امام رضاؑ، ابراہیم، شاہ چراغ، حمزہ، اسحاق بیٹوں میں سے ہیں جبکہ فاطمہ معصومہ و حکیمہ آپ کی بیٹیوں میں سے ہیں۔ امام کاظمؑ کی نسل موسوی سادات سے مشہور ہیں۔

امام کاظمؑ کے والد ماجد امام صادقؑ کی شہادت کے بعد سنہ 148 ہجری میں 20 سال کی عمر میں امامت کا عہدہ سنبھالا۔ آپ کی امامت بنی عباس کے چار خلیفوں کی خلافت کے دور میں تھی۔ امامت کے دس برس منصور عباسی کی خلافت (حکومت 136ھ-158ھ) میں، 11 سال مہدی عباسی کی خلافت (حکومت 158-169ھ) میں، ایک سال ہادی عباسی کی خلافت (حکومت 169-170ھ) میں اور 13 سال ہارون کی خلافت (حکومت 170-193ھ) میں گزارے۔ امام کاظمؑ کی امامت 35 سالوں پر محیط تھی۔ سنہ 183ھ کو آپ کی شہادت کے بعد امامت آپ کے بیٹے امام رضاؑ کی طرف منتقل ہوگئی۔

نصوص امامت

شیعوں کے عقیدے کے مطابق امام اللہ تعالی کی طرف سے معین ہوتا ہے اور امام کو پہچاننے کے طریقوں میں سے ایک نص (رسول اللہ یا سابق امام کی طرف سے موجودہ امام کی امامت پر تصریح) ہے۔ امام صادقؑ نے متعدد موارد میں امام کاظمؑ کی امامت کے بارے میں اپنے خاص اصحاب کو بتایا تھا۔ اور کافی، ارشاد، اعلام الوری اور بحارالانوار، میں سے ہر ایک امام موسی کاظمؑ کی امامت کے بارے میں ایک باب پایا جاتا ہے جس میں بالترتیب 16، 46، 12، اور 14 روایات درج ہیں۔ من جملہ

ایک روایت کے مطابق فیض بن مختار کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے پوچھا کہ آپ کے بعد امام کون ہوگا؟ اسی اثنا آپ کے بیٹے موسی آگئے تو امام

صادقؑ نے ان کی معرفی کروائی۔

امام صادق) کے فرزند علی بن جعفر نقل کرتے ہیں کہ امام صادقؑ نے اپنے بیٹے موسی کے متعلق فرمایا:

فَ اِنَ ※ اُفضَلُ وُلدِی وَمَن اُخَلِّفُ مِن بَعدِی وَ※ وَالقَائِمُ مَقَامِی وَالحُجَّ ※ لِلٰہِ تَعَالَی ※ عَلَ ※ ※ اف ※ خَلق ※ مِن بَعدِی ※ وہ میرا افضل ترین فرزند ہے اور یہ وہ ہے جو میرے بعد میری جگہ لے گا اور میرے بعد مخلوق خدا پر اللہ کی حجت ہے۔

نیز عیون اخبار الرضا سے منقول ہوا ہے کہ ہارون رشید نے اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے موسی بن جعفر کو برحق امام اور پیغمبر اکرمؐ کی جانشینی کے لئے شائستہ ترین شخص قرار دیا اور اس کی اپنی پیشوائی کو ظاہری اور طاقت کے بل بوتے پر قرار دیا۔

وصیت امام صادقؑ اور بعض شیعوں کی پریشانی

مآخذ میں لکھا گیا ہے کہ عباسیوں کی طرف سے مشکلات کے پیش نظر امام صادقؑ نے امام کاظمؑ کی جان کی حفاظت کی خاطر عباسی خلیفہ سمیت پانچ افراد کو اپنا وصی معرفی کیا۔ اگرچہ اپنے بعد کے لئے امام صادقؑ کو امام کے عنوان سے اصحاب کے لئے معرفی کیا تھا اس کے باوجود شیعوں کے لئے ابہام ایجاد کیا تھا۔ اس دور میں مؤمن طاق اور ہشام بن سالم جیسے جلیل صحابی بھی شک اور تردید کے شکار ہوگئے اور امامت کے مدعی عبد اللہ افطح کی طرف گئے اور زکات کے بارے میں اس سے سوالات کئے اور جواب سے مطمئن نہیں ہوئے اور پھر امام موسی کاظمؑ کے پاس آئے اور آپ کے جوابات سے مطمئن ہوئے اور آپ کی امامت کو مان گئے۔

شیعہ گروہ بندی

پیروان اہل بیتؑ میں سے بعض شیعہ امام صادقؑ کی حیات میں ہی آپ کے بڑے بیٹے اسماعیل بن جعفر کی امامت کے قائل تھے۔ اسماعیل کا انتقال ہوا تو ان کی موت کا یقین نہیں کیا اور انہیں پھر بھی امام سمجھتے رہے۔ امام صادقؑ کی شہادت کے بعد ان میں سے بعض نے اسماعیل کی حیات سے مایوس ہو کر ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل کو امام سمجھا اور اسماعیلیہ کہلائے۔ بعض دوسرے امام صادقؑ کی شہادت کے بعد عبداللہ افطح کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی پیروی کی اور فطحیہ کہلائے۔ امام موسی کاظمؑ کے زمانے کے دوسرے فرقوں میں ناووس نامی شخص کے پیروکاروں کا فرقہ ناووسیہ اور اور آپ کے بھائی محمد بن جعفر دیباج کی امامت کا قائل فرقہ شامل ہیں۔

امام موسی کاظمؑ کی شہادت کے بعد بھی امام رضاؑ کی امامت پر اعتقاد نہ رکھنے والے افراد نے امام موسی کاظمؑ کی امامت پر توقف کیا اور آپ کو مہدی اور قائم قرار دیا اور واقفیہ کہلائے۔ مہدویت اور قائمیت کے تفکر کی جڑیں بنیادی شیعہ اصولوں میں پیوست ہیں اور اس کا سرچشمہ خاندان رسالت سے منقولہ احادیث کی ہیں جن کی بنا پر خاندان رسالت کا ایک فرد قائم اور مہدی کے عنوان سے قیام کر کے دنیا کو عدل و انصاف کا گہوارہ بنائے گا۔

غالیوں کی سرگرمیاں

امام کاظم کے دور امامت میں غالیوں نے بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اس دور میں فرقہ بشیریہ بنا جو محمد بن بشیر سے منسوب تھا اور یہ شخص امام موسی بن جعفر کے اصحاب میں تھا۔ وہ امام کی زندگی میں امام پر جھوٹ و افترا پردازی کرتا تھا۔ امام کاظم محمد بن بشیر کو نجس سمجھتے اور اس پر لعنت کرتے تھے۔

مناظرے اور مکالے

امام کاظم کے مناظرات اور گفتگو مختلف کتب میں مذکور ہیں جن میں سے بعض خلفائے بنی عباس، یہودی دانشمندوں، مسیحیوں، ابو حنیفہ اور دیگران سے منقول ہیں۔ باقر شریف قرشی نے تقریبا آٹھ مناظرے اور گفتگو مناظرے کے عنوان کے تحت ذکر کی ہیں۔ امام کاظمؑ نے مہدی عباسی کے ساتھ فدک اور قرآن میں حرمت خمر کے متعلق گفتگو کی۔ امامؑ نے ہارون عباسی سے مناظرہ کیا۔ جب کہ وہ اپنے آپ کو پیامبرؐ سے منسوب کر کے اپنے آپ کو پیغمبر کا رشتہ دار سمجھتا تھا، امام کاظمؑ نے اس کے سامنے اس کی نسبت اپنی رشتہ داری کو رسول اکرم سے زیادہ نزدیک ہونے کو بیان کیا۔ موسی بن جعفر نے دیگر ادیان کے علما سے بھی مناظرے کئے جو عام طور پر سوال و جواب کی صورت میں تھے جن کے نتیجے میں وہ علما مسلمان ہو گئے۔

ابوحنیفہ

روایت کے مطابق ابوحنیفہ نے کسی مسئلے کے استفسار کی خاطر امام صادقؑ سے

ملاقات کی لیکن امام صادقؑ سے پہلے اس کی نظر امام موسی کاظم پر پڑی جن کا سن 5 سال تھا تو اس نے ان سے سوال کیا: گناہ خدا سے صادر ہوتا ہے یا بندے سے؟ امام کاظمؑ نے جواب میں کہا: گناہ یا تو خدا کی طرف سے صادر ہوتا ہے اور اس میں بندے کی کسی قسم کی کوئی دخالت نہیں ہے پس اس صورت میں بندے کی جانب سے اس میں کسی قسم کی دخالت نہ ہونے کی بنا پر خدا اسے مجازات نہیں کرے گا۔ یا اس گناہ میں خدا اور بندہ دونوں شریک ہیں۔ اس صورت میں خدا انسان کی نسبت قوی تر ہے اور قوی کی موجودگی میں قوی کو حق حاصل نہیں کہ صرف اپنے ضعیف شریک کو سزا دے۔ یا گناہ بندے کی جانب سے اور خدا کا اس میں کسی قسم کا دخل نہیں ہے۔ اس صورت میں اگر خدا چاہے تو اسے سزا دے یا اسے بخش دے۔ خدا وہ ذات ہے جس سے ہر حال میں مدد لی جاتی ہے۔ ابوحنیفہ نے یہ جواب سن کر کہا میرے لئے یہ جواب کافی ہے اور امام صادق کے گھر سے چلے گئے۔

بریہہ

شیخ صدوق اور دیگر ہشام بن حکم سے منقول روایت کے مطابق مسیحی علما میں سے بریہہ ایک گروہ کے ہمراہ ہشام کے پاس آیا اور اس نے مناظرہ کیا۔ ہشام نے کامیابی حاصل کی۔ پھر وہ سب امام صادق سے ملاقات کرنے کیلئے عراق سے مدینہ آئے۔ امام صادق کے گھر داخل ہوتے ہوئے ان کی ملاقات امام موسی کاظم سے ہوئی۔ بعض روایات کے مطابق ہشام نے امام موسی کاظم سے واقعہ بیان کیا اور ان عیسائیوں کی امام سے گفتگو ہوئی کہ جس کے بعد بریہہ اور اس کی بیوی مسلمان ہو کر امام کے خدمت کار ہو گئے [ہشام نے ان کی بات چیت اور مسلمان ہونے کا واقعہ امام صادق کے سامنے بیان کیا تو امام صادق نے یہ آیت تلاوت فرمائی: **ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ** ترجمہ: جو ایک نسل ہے جن کے بعض بعض سے ہیں (یہ اولاد ہے ایک دوسرے کی) اور خدا بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے۔۔

ہارون عباسی

ہارون پیامبر کی قبر کے پاس آیا اور حاضرین کے سامنے رسول خداؐ سے اپنی رشتہ داری ظاہر کرنے کی خاطر میرے چچا کے بیٹے کہہ کر رسول اللہ کو خطاب کیا۔ امام کاظمؑ وہاں موجود تھے آپ نے میرے بابا کہہ کر رسول خدا کو خطاب کیا۔
ایک روایت کی بنا پر ہارون نے امام سے کہا: لوگوں کو کیوں اس بات کی اجازت دیتے ہو کہ وہ تمہیں پیغمبر کی طرف نسبت دیں یا تم تو رسول اللہ کے بیٹوں میں سے نہیں بلکہ علی کے فرزندوں میں سے ہو؟ امام نے اسے جواب دیا: اے خلیفہ! اگر پیغمبر زندہ ہو جائیں اور تم سے تمہاری بیٹی کا رشتہ طلب کریں تو تم انہیں رشتہ دو گے؟ ہارون نے جواب دیا: کیوں نہیں بلکہ میں عرب پر اس بات کی وجہ سے فخر و مباہات کروں گا۔ امام کاظم نے جواب دیا: لیکن پیغمبر کسی بھی حالت میں مجھ سے میری بیٹی کا رشتہ نہیں مانگیں گے کیونکہ وہ میرے نانا ہیں۔

سیرت

امام موسی کاظم کی خدا سے ارتباط، لوگوں اور حاکمان وقت کے روبرو ہونے کی روشیں مختلف تھیں۔ خدا سے ارتباط کی روش کو سیرت عبادی، حاکمان وقت اور لوگوں سے ارتباط کی روش کو سیاسی اور اخلاقی روش سے تعبیر کیا گیا ہے۔

عبادی سیرت

شیعہ و سنی منابع کے مطابق امام کاظمؑ بہت زیادہ اہل عبادت تھے۔ اسی وجہ سے ان کے لئے عبد صالح استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض روایات کی بنا پر حضرت امام موسی کاظم اس قدر زیادہ عبادت کرتے تھے کہ زندانوں کے نگہبان بھی ان کے تحت تاثیر آ جاتے۔ شیخ مفید موسی بن جعفر کو اپنے زمانے کے عابدترین افراد میں سے شمار کرتے ہیں۔ ان کے بقول گریہ کی کثرت کی وجہ سے آپ کی ریش تر ہو جاتی۔ وہ **عَظُمَ الذَّنْبُ مِنْ عَبْدِكَ فَلْيَحْسُنِ الْعَفْوُ مِنْ عِنْدِكَ** کی دعا بہت زیادہ تکرار کرتے تھے۔ **اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الرَّاحَةَ عِنْدَ الْمَوْتِ وَ الْعَفْوَ عِنْدَ الْحِسَابِ** کی دعا سجدے میں تکرار کرتے یہاں تک کہ ہارون کے حکم سے جب زندان تبدیل کیا جاتا تو اس پر خدا کا شکر بجا لاتے کہ خدا کی عبادت کیلئے پہلے سے زیادہ فرصت مہیا کی ہے اور کہتے: خدایا! میں تجھ سے عبادت کی فرصت کی دعا کرتا تھا تو نے مجھے اس کی فرصت نصیب فرمائی پس میں تیرا شکر گزار ہوں۔

اخلاقی سیرت

مختلف شیعہ اور سنی منابع میں امام موسی کاظم کی بردباری اور سخاوت کا تذکرہ

موجود ہے۔ شیخ مفید نے انہیں اپنے زمانے کے ان سخی ترین افراد میں سے شمار کیا ہے کہ جو فقیروں کیلئے خود خوراک لے کر جاتے تھے ابن عنبہ نے امام موسی کاظم کی سخاوت کے متعلق کہا ہے: وہ رات کو اپنے ہمراہ درہموں کا تھیلا گھر سے باہر لے جاتے ہر کسی کو اس میں سے بخشتے یا جو اس بات کے منتظر ہوتے انہیں بخشتے۔ اس بخشش کا سلسلہ یہاں تک جاری رہا کہ زمانے میں ان کے درہموں کا تھیلا ایک ضرب المثل بن گیا تھا۔ اسی طرح کہا گیا ہے کہ موسی بن جعفر ان لوگوں کو بھی بخشش سے محروم نہیں رکھتے تھے جو انہیں اذیت دیتے تھے۔ جب انہیں خبر دی جاتی کہ فلاں انہیں تکلیف و آزار پہچانا چاہتا ہے تو اس کے لئے ہدیہ بھجواتے۔ اسی طرح شیخ مفید امام موسی کاظم کو اپنے گھر اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی کی سب سے زیادہ سعی کرنے والا سمجھتے ہیں

اسیری اور قید خانہ

امام کاظمؑ کی گرفتاری کے اسباب میں مختلف اقوال نقل ہوئے ہیں جس سے اہل تشیع کے درمیان امامؑ کے مرتبے اور مقام و منزلت کی عکاسی ہوتی ہے۔ چنانچہ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ عباسی دربار کے وزیر یحیی برمکی یا پھر امامؑ کے ایک بھائی نے عباسی بادشاہ ہارون عباسی کے پاس چغل خوری اور بہتان تراشی کی تھی۔ ہارون نے امام کو دو مرتبہ قید کیا لیکن تاریخ پہلی مدتِ قید کے بارے میں خاموش ہے جبکہ دوسری مدتِ قید سنہ 179 سے 183 ہجری تک ثبت کی گئی ہے جو امامؑ کی شہادت پر تمام ہوئی۔

ہارون نے سنہ 179 میں امام کو مدینہ سے گرفتار کیا۔ امامؑ 7 ذی الحجہ کو بصرہ میں عیسی بن جعفر کے قید خانے میں قید کئے گئے؛ جہاں سے آپ کو بغداد میں فضل بن ربیع کی زندان میں منتقل کیا گیا۔ فضل بن یحیی کی زندان اور سندی بن شاہک کا زندان وہ قید خانے تھے جن میں امامؑ نے اپنی عمر کے آخری لمحات تک اسیری کی زندگی گذاری۔

شہادت

امام کاظمؑ 25 رجب سنہ 183 ہجری کو بغداد میں واقع سندی بن شاہک کی زندان میں شہید کیا گیا۔ آپ کی شہادت کے بعد سندی نے حکم دیا کہ آپ کا جسم بے جان بغداد کے پل پر رکھ دیا جائے اور اعلان کیا جائے کہ آپ طبیعی موت پر دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔

آپ کی شہادت کے متعلق بیشتر تاریخ نگار مسمومیت کے قائل ہیں اور یحیی بن خالد اور سندی بن شاہک آپ کے قاتلوں کے طور پر جانے گئے ہیں۔ جبکہ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ آپ کو ایک بچھونے میں لپیٹ دیا گیا جس کی وجہ سے آپ کا دم گھٹ گیا اور شہید ہو گئے ہیں۔ اور بعض دیگر نے لکھا ہے کہ ہارون کے حکم پر پگھلا ہوا سیسہ امامؑ کے گلے میں انڈیل دیا گیا تاہم مشہور ترین قول جو تواتر کی حد تک پہنچ گیا ہے یہی ہے کہ یحیی برمکی نے ہارون کے حکم پر سندی بن شاہک کے ذریعے زہر آلود کھجوروں کے ذریعے امام کو شہید کروایا۔ روایت میں ہے کہ ہارون نے شیعیان آل رسولؐ کا مرکز متزلزل کرنے، اپنے اقتدار کو طول دینے اور حکومت کے استحکام کی غرض سے آپ کی شہادت کا حکم جاری کیا اور یہودی سندی بن شاہک نے 10 زہریلی کھجوریں امام کو کھلا دیں اور کہا مزید تناول کریں تو امامؑ نے فرمایا: **حَسبُكَ قَد بَلَغتَ ما يَحتاجُ اِلَيهِ فِيما اُمِرتَ بِهِ**۔ تیرے لئے یہی کافی ہے اور تجھے جو کام سونپا گیا تھا اس میں تو اپنے مقصد تک پہنچ گیا"۔

اس کے بعد سندی نے چند قاضیوں اور بظاہر عادل افراد کو حاضر کیا تا کہ ان سے گواہی دلوا سکے کہ امام بالکل صحیح و سالم ہیں۔ امام کاظمؑ نے سندی کی سازش کو بھانپتے ہوئے درباری گواہوں سے کہا: گواہی دو کہ مجھے تین دن قبل مسموم کیا گیا ہے اور اگر چہ میں بظاہر تندرست ہوں مگر بہت جلد اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا؛ راوی کہتا ہے کہ امامؑ اسی دن اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

مدفن اور زیارت کا ثواب

امام کاظمؑ اور امام محمد تقیؑ بغداد کے کاظمین میں آپ کا حرم واقع ہے جو حرم کاظمین سے مشہور ہے اور مسلمان بالخصوص شیعہ وہاں زیارت کرنے آتے ہیں۔ امام رضاؑ کی ایک روایت کے مطابق آپ کے قبر کی زیارت کا ثواب رسول اللہ، امام علیؑ اور امام حسینؑ کی قبر کی زیارت کے برابر ثواب ہے

نوٹ: یہ مضمون وکی شیعہ سے اخذ کیا گیا ہے تفصیلی مضمون، ریفرنسز کیساتھ اس ویب پورٹل پہ موجود ہے

/ur.wikishia.net/view//:https

تنظیم ایک عظیم درسگاہ

رہبر معظم آیت اللہ سید علی خامنہ ای

آیت اللہ العظمیٰ امام سید علی خامنہ ای دامت برکاتہ نے یہ گفتگو ۲۵۔۵۔۱۳۶۳ (۱۹۸۳ء) میں حزب جمہوری اسلامی کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے تہران سے اس حزب کے ممبران اور عہدیداروں کے اجلاس میں پیش کی تھی، جو حزب موتلفہ اسلامی (Islamic Confedration Party)۔

کی طرف سے ان کے مجلہ ماہانہ "ذکر" کے ۶۳ ویں شمارے، ماہ "دی ۱۳۹۰" میں چھپی ہے۔

اہداف:

تنظیمی فعالیت کا ہدف اور ضرورت کیا ہے؟

اسلامی تنظیم کی رکنیت ہم پر کیا اضافی ذمہ داری ڈالتی ہے؟

کیا غیر آگاہانہ تنظیمی فعالیت کا کوئی فائدہ ہے؟

کس قسم کے لوگ تنظیم کے مخالف ہوتے ہیں؟

تنظیمی افراد کے باہمی تعلقات کیسے ہونے چاہئیں؟

میں یہاں تشریف لانیوالے عزیز برادران اور خواہران کو خوش آمدید کہتا ہوں، یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہم اکٹھے ہوئے ہیں تا کہ کچھ مسائل پر آپس میں تبادلہ خیال کر سکیں۔ اسی طرح آپ برادران اور خواہران کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ لوگوں نے ان نشستوں میں منظم انداز سے شرکت کی، یہ بہت ہی خوش آئند بات ہے۔

تنظیم کی اقسام اور ذمہ داریاں:

حزب جمہوری اسلامی جیسی ایک سیاسی اور فکری تنظیم کی آج ہمارے دور میں دو اہم ذمہ داریاں ہیں، ایک لائق افراد کو فکری اور عملی طور پر منظم کرنا دوسرے اس تنظیم کو آئیڈیل کے طور پر پیش کرنا۔ ان میں سے پہلی ذمہ داری وہ ہے جس کی دنیا کی تمام فکری اور سیاسی جماعتیں قائل ہیں، یعنی لائق افراد کو ذہنی (فکری) اور عملی طور پر منظم کرنا۔ اب اس لیاقت سے کیا مراد ہے؟ گو کہ تنظیموں کے درمیان طرز تفکر میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود ہر جماعت، حزب اور تنظیم ایسے افراد کو جو اس کے اہداف و مقاصد کے لحاظ سے لائق اور مناسب ہوں تلاش کر کے ایک خاص نظم و ترتیب سے انہیں منظم کرتی ہے، پھر ان کے درمیان وہ کام انجام دیئے جاتے ہیں جو آپس کی فکری ہم آہنگی اور اتحاد کا مقدمہ بنتے ہیں، اور یہ بات بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک کچھ لوگ فکری لحاظ سے آپس میں ہم آہنگ نہ ہوں وہ عملی لحاظ سے بھی ہم آہنگ نہیں ہو سکتے۔

یہ دنیا کی تمام جماعتوں اور تنظیموں کی فعالیت کا محور ہے، گو کہ تنظیموں کے اہداف و مقاصد مختلف ہوتے ہیں، بعض تنظیمیں اپنے سیاسی افکار کی ترویج و اشاعت کیلئے یہ کام انجام دیتی ہیں اور اسے اپنی ایک ذمہ داری سمجھتی ہیں، بعض تنظیمیں اپنے فکری مقاصد کی خاطر تو کچھ ایسی تنظیمیں بھی ہیں جو طاقت کے بل بوتے پر حکومت کے حصول کیلئے تنظیم سازی کرتی ہیں۔ جبکہ بعض تنظیموں کی مختلف افکار اور گوناگوں قسم کی سیاسی جدوجہد کے لحاظ سے تقسیم بندیاں کی جاتی ہیں، غرض یہ کہ اہداف مختلف ہیں۔ لیکن دنیا بھر کی یہ تنظیمیں اپنے مورد نظر اور مطلوبہ افراد کے درمیان ایک فکری ہم آہنگی اور اس کے سائے میں ایک عملی ہم آہنگی کو وجود میں لانا اپنی ذمہ داری سمجھتی ہیں۔ یہی ہدف آپ کا بھی ہے اور حزب جمہوری اسلامی کا بھی۔

ایک اسلامی تنظیم کی پہلی ذمہ داری:

لہٰذا حزب جمہوری اسلامی کی یہ ذمہ داری ہے کہ افراد کے درمیان اسلام کے فکری نظام پر عمل درآمد کرانے کیلئے ایک فکری ہم آہنگی پیدا کرے تا کہ اس ہم آہنگی اور اتحاد سے معاشرے اور اسلامی انقلاب کو ارتقاء بخشنے کی رفتار کو تیز کرنے نیز انقلابی مقاصد کے حصول کیلئے استعمال کیا جا سکے۔ تنظیم ہمیں اس مقصد کے لیئے چاہیے۔

اگر دوسرے افراد دنیا کے گوشہ و کنار میں اور خود ہمارے ملک میں بھی مختلف سیاسی مقاصد رکھنے والی سیاسی جماعتوں اور تنظیموں میں اس لیئے شامل ہوتے ہیں کہ وہ انتخابات میں کامیابی حاصل کر لیں، اقتدار میں آجائیں اور نظام حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لیں، تو ہم یہ واضح کرنا چاہتے کہ ہماری ایسی سوچ نہیں ہے۔

ہم یہ چاہتے ہیں کہ اپنے معاشرے کے افراد کی فکر کو اسلامی تعلیمات و افکار کی گہرائی نیز سیاسی حالات کے ادراک اور تجزیہ و تحلیل کے شعور کو مناسب اور اس گہرائی تک لے جائیں کہ معاشرے کے افراد سیاسی اور فکری حالات و واقعات کی شناخت کے لحاظ سے ہم فکر ہو جائیں، اور ایک طولانی مدت کیلئے ہم آہنگ اجتماعی حرکت کو جاری رکھ سکیں۔ پس اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں پہلے اپنے آپ میں ایک فکری اور عملی ہم آہنگی پیدا کرنی چاہیے، یہی ہماری تنظیم سازی کی دو ذمہ داریوں میں سے ایک ہے، اس پر ذرا اچھی طرح غور کریں۔

تنظیمی رکن سازی:

برادران اور خواہران، جب ہم کہتے ہیں کہ معاشرے کے افراد کو منظم کیا جانا چاہیے تو اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ معاشرے کے تمام افراد ہماری تنظیم یا جماعت میں شامل ہو

جائیں۔ ہم نہ تو ایسی کسی چیز پر اصرار کرتے ہیں اور نہ ہی ہمارا ایسا کوئی دعویٰ ہے اور نہ ہی ہماری نظر میں اس کی کوئی ضرورت ہے۔ بنابراین سب سے پہلی چیز جس کی ہم نفی کرتے ہیں وہ یہی کہ حزب جمہوری اسلامی اپنی تنظیم سازی اور تشکیل کیلئے معاشرے کے تمام لوگوں کو اپنا عضو بنانا چاہتی ہے، ہم اسکی نفی کرتے ہیں، نہ ابتداء میں ہم اس فکر میں تھے نہ ہی اب ہیں۔ بلکہ سرے سے ایسی تنظیم سازی عملی طور پر ممکن ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس کے مطلوبہ نتائج برآمد ہونگے۔

تنظیم کا معاشرے سے رابطہ:

دوسری چیز جس کی ہم نفی کرتے ہیں وہ یہ کہ لوگوں میں سے کچھ افراد کو تنظیم سازی کے نام پر ان کے گرد ایک حصار کھینچ کر انہیں معاشرے کے دوسرے لوگوں سے علیحدہ کردیں۔ اس کی ہم سختی سے تردید کرتے ہیں۔ جو لوگ ابتداء سے اس حزب کے مخالف تھے، بلکہ تنظیموں کے ہی مخالف تھے وہ یہی پراپیگنڈا کرتے ہیں کہ تنظیم یعنی معاشرے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا لیکن اس بارے میں پہلے تفصیلی گفتگو کی تھی، اور ثابت کیا تھا کہ "تحزب اور وحدت" (تنظیم اور اتحاد) آپس میں سازگار ہیں، جو کتابچہ کی صورت میں شائع بھی ہوا تھا اور اس پر کافی بحث و مباحثہ بھی کیا گیا تھا۔ تنظیم کبھی بھی تنظیمی افراد اور دوسروں کے درمیان دیوار نہیں کھینچتی اور نہ ہی دوری پیدا کرتی ہے۔ جیسے ایک کلاس کے شاگرد ایک کلاس میں جمع ہونے ایک سبق پڑھنے ایک استاد سے کسب علم کرنے اور ایک کتاب کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے کلاس سے باہر یا دوسری کلاسوں میں موجود شاگردوں کے درمیان جدائی اور دوری کا سبب نہیں بنتے۔ صحیح ہے کہ ایک کلاس کے شاگردوں کا آپس میں اتحاد ہو جاتا ہے لیکن یہ اتحاد دوسری کلاسوں میں یا باہر موجود لوگوں کے درمیان تعارض یا مخالفت کا باعث نہیں بنتا۔ یہ تو ممکن ہے کہ ایک بچہ کسی دوسرے بچے سے آشنا نہ ہو، لیکن ایک کلاس میں جانے، ایک چار دیواری کے اندر ایک چھت کے نیچے تیس یا چالیس طالب علموں کے ایک ساتھ بیٹھنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ دوسروں سے جدا ہیں، تنظیم بھی بالکل ایسی ہی ہے۔

تنظیم ایک عظیم درسگاہ:

تنظیم ایک بہت بڑی کلاس اور وسیع و عریض درسگاہ ہے۔ تنظیم یعنی اپنے معاشرے کو صحیح اسلامی نظریات اور اس میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے مختلف پہلوؤں سے روشناس کرانا ہے۔ جو لوگ تنظیم کا حصہ بنتے ہیں وہ اسی لیئے شمولیت اختیار کرتے ہیں کہ اس سے مکمل فائدہ حاصل کرسکیں، فکری اور عملی طور پر منظم ہوں۔ ایک تنظیمی نظام اسی لیئے ہوتا ہے تاکہ اس کے اراکین جہاں کہیں بھی ہوں حقیقی اسلامی اور سیاسی فکر سے آگاہ ہوسکیں۔

یہ ڈویژن، مختلف شعبہ جات، ملک بھر میں پھیلے یونٹ اور دیگر مراکز اسی لیئے ہیں تاکہ صحیح عقائد اور سیاسی فکر پر مبنی جو کتابچے وغیرہ بنائے جاتے ہیں انہیں ملک کے کونے کونے تک آٹھ، دس یا پندرہ، پندرہ افراد کے گروہوں (یونٹس) میں صحیح و سالم پہنچایا جائے اور وہ مل بیٹھ کر اس کا مطالعہ کریں، آپس میں بحث کریں اور سیکھیں۔

ایک تنظیم اپنے اراکین کے درمیان دوسری دلچسپیوں سے بڑھ کر آپس میں باہمی ہم فکری اور وابستگی کو جنم دیتی ہے، لیکن ان کے اور دوسرے تمام افراد کے درمیان ہرگز جدائی اور دوری نہیں ڈالتی۔

تنظیم کب ضرورت اختیار کرجاتی ہے؟:

اس کے ساتھ ہی ہم ایک اور بات کا بھی شدت سے انکار کرتے ہیں وہ یہ کہ تنظیم کے بغیر معاشرے میں ایک مضبوط اور پائیدار اتحاد کو دراز مدت کے لیئے قائم کیا جاسکتا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ معاشرے میں تنظیم سازی کے بغیر لمبے عرصے تک ایک پائیدار اور دیرپا وحدت وجود میں نہیں لائی جاسکتی۔ یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ یا قومیں شعارات کے سائے میں جمع اور متحد ہوتی ہیں یا مضبوط اور طاقتور قیادتوں کے گرد جمع ہوتی ہیں جیسا کہ ہم نے اپنے اسلامی انقلاب میں خود مشاہدہ کیا ہے۔ لیکن وہ چیز جو طولانی مدت کیلئے معاشرے کے افراد کو مختلف اجتماعی گروہوں اور طبقات کو ایک دوسرے سے منسلک و متحد کرتی ہے، وہ ایک فکری و عملی ہم آہنگی اور ایک تنظیم ہے۔ یہاں تنظیم کا وجود ناگزیر ہو جاتا ہے۔ انسانیت کو آج تک حاصل ہونے والے تجربات اسی حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔

کب تنظیم کی افادیت ختم ہوجاتی ہے؟

جی ہاں، جس دن دینی افکار و نظریات اور اسلامی سوچ معاشرے کے تمام افراد تک سنجیدگی اور احتیاط کے ساتھ پہنچا دی گئی تو اس وقت ہمیں تنظیم کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس وقت پورا معاشرہ خود ایک تنظیم بن جائے گا جس کی باگ ڈور اس کے اپنے سیاسی اور اسلامی رہبروں کے ہاتھ میں ہوگی۔ اس مرحلے تک پہنچنے میں ابھی کافی وقت درکار ہے۔

تنظیم کی اہمیت:

بنا بریں تنظیم اور سیاسی تنظیم سازی معاشرے کے اتحاد و اتفاق کی ضامن ہے۔ اسی وجہ سے ہم تنظیم کے وجود پر اصرار کرتے ہیں اور اس بات کے معتقد ہیں کہ وہ لوگ جو تنظیم کی مخالفت کرتے ہیں وہ دو حالتوں سے باہر نہیں ہیں، یا وہ غافل اور بے توجہ ہیں، یا مغرض ہیں۔

ممکن ہے کہ فلاں گروہ فلاں ادارہ یا جماعت و تنظیم مثالی اور آئیڈیل نہ ہو تو یہ ایک فطری سی بات ہے اور اس میں بحث کی ضرورت بھی نہیں ہے ممکن ہے کہ کوئی کسی شخصیت کا مخالف ہو اور کوئی اس کا حامی اس میں بھی کوئی برائی نہیں ہے، اسی طرح اس بات میں بھی کوئی برائی نہیں کہ کوئی کسی تنظیم کا حمایتی ہے تو ممکن ہے کوئی دوسرا اس کا مخالف ہو کیونکہ معاشرے میں اختلاف نظر کا ہونا کوئی بری بات نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی تنظیم کے وجود کا سرے سے ہی انکار کرے تو یا اسے اس بات کی جانب توجہ نہیں ہے کہ معاشرے اور لوگوں کیلئے تنظیمی وجود اور اس کے ذریعہ ہونے والی تربیت کے کیا فوائد ہیں یا پھر، خدا نہ کرے، وہ مغرض ہے اور کسی خاص ہدف کے تحت یہ باتیں کرتا ہے۔

پہلی ذمہ داری کی ادائگی کا طریقہ کار:

یہاں ایک بار پھر اس نکتے کی جانب اشارہ ضروری ہے کہ حزب جمہوری اسلامی کی

دو ذمہ داریوں میں سے ایک یہی ہے کہ اپنے اندر حقیقی معنوں میں نظم اور ہم آہنگی پیدا کرے ۔البتہ تنظیم کے مسئول کو بھی چاہیے کہ وہ اعتقادی ، سیاسی اور اقتصادی شعبوں کو فعال کرے، جو نہ صرف معاشرے کے افراد کے اذہان کو فکری غذا فراہم کرتے ہیں بلکہ تنظیم کے تمام اراکین کے اذہان کو بھی ۔

ہمیں ان شعبوں کو اس طرح فعال کرنا چاہیے جیسا ان کا حق ہے یعنی پوری تنظیم میں مرکزی عہدے سے لے کر یونٹ تک سب کی یہ ذمہ داری ہے ۔تمام مختلف شعبوں سے وابستہ اراکین پر بھی پابندی اور حفاظت کی ذمہ داری بنتی ہے ، میٹنگوں میں بر وقت حاضری کو اہمیت دینا، تنظیم کی طرف سے مہیا کیے گئے مواد کا مطالعہ کرنا، اراکین کا آپس میں صحیح اور ہدف مند بحث کی انجام دہی کو رواج دینا اور پھر ان تصورات اور افکار کو معاشرے کے دوسرے افراد میں ان کی ملازمت ، زندگی اور خاندان میں منتقل کرنا ، یہی امور نظام اور تنظیم کو استحکام کا باعث بنتے ہیں ۔اہم ترین کام یہی ہیں ۔

ایک اسلامی تنظیم کی دوسری ذمہ داری :

اس کے علاوہ حزب جمہوری اسلامی کی ایک اور ذمہ داری بھی ہے جو دوسری جماعتوں میں نہیں ہے ۔ پوری دنیا میں تو نہیں ہے خود ہمارے ملک میں بھی شاید کہہ سکتے ہیں کہ واقعاً دوسری تنظیموں ، جماعتوں اور گروہوں میں بھی اس ذمہ داری کا احساس موجود نہیں ہے، اور وہ ہے ایک اسلامی اور الٰہی تنظیم کا آئیڈیل پیش کرنا ۔

ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے لوگوں کو اسلامی جماعتوں کا ماضی میں ایک لمبے عرصہ ، مشروطیت (Constitutionalism) سے پہلے سے لے کر آج تک نہ تو کوئی تجربہ ہے اور نہ ہی کبھی سابقہ پڑا ہے ۔ پہلے تو سرے سے تنظیم بندی کی اس رائج ثقافت کا تصور ہی نہ تھا ، اور جب سے سیاسی جماعتیں اور سیاسی تنظیمیں ایران میں روشناس ہوئی ہیں اور جماعتی ثقافت نے آجکل جو شکل اختیار کر لی ہے ، ہمارے لوگوں نے کبھی بھی ایک اسلامی سیاسی جماعت نہیں دیکھی تھی ۔البتہ اسلامی معاشروں میں جماعت بندی موجود تھی ، ایسا نہیں ہے کہ اسکا وجود ہی نہ تھا ۔ ہمارا اپنا اعتقاد یہ ہے کہ تشیع آغاز اسلام سے ہی ایک جماعت اور تنظیم تھی ، اس بارے میں ہم نے طاغوت کے گھٹن آلود دور میں آئمہ طاہرین علیہم السلام کی زندگی پر گفتگو کے دوران تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ۔میرا عقیدہ یہ ہے کہ ولایت جو کہ اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے اور اس لفظ کا ذکر قرآن میں بھی انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے ،"مالکم من ولایتھم من شیئ حتی یھاجروا" یہ وہی سماجی تعلق ہے جس کی آج ایک بڑی شکل اور معاشرے میں مدغم صورت ایک سیاسی جماعت اور تنظیم ہے ۔

اتفاق سے یہ بھی میں تفصیل سے گذشتہ مباحث میں واضح کر چکا ہوں کہ ولایت درحقیقت اسلامی تنظیم ہی ہے اور پوری تاریخ اسلام میں جہاں جہاں ظالم حکمران اور طاغوت کا راج رہا ہے وہاں مخفی اور زیر زمین (انڈر گراونڈ) ادارے اور تنظیمیں فعال رہتیں جو چھپ چھپا کر ان ظالم حکمرانوں کے خلاف مزاحمتی جدو جہد کرتی تھیں ، جبکہ دور حاضر کی تنظیمیں اور جماعتیں ایسی نہیں ہیں ۔سابقہ ادوار کی جماعتیں موجودہ دنیا میں رائج جماعت یا تنظیم کے مقابلے میں صرف ایک ناقص وجود شمار کی جاتی ہیں ۔ماضی میں جب سے جماعت بندی ایران میں شروع ہوئی ہے اکثر جماعتیں اور تنظیمیں دینی نہیں تھیں یعنی اسلام مخالف تھیں ، یا اگر ان میں کوئی دینی تھیں بھی تو ان کی بنیاد صحیح فقہی اور اسلامی نہیں تھی ، یا ان میں سے کچھ اسلامی تو تھیں مگر لوگوں میں اچھی طرح قدم نہیں جما پائیں اور معاشرے میں انہیں کوئی بھی دینی جماعت یا تنظیم کی حیثیت سے نہیں جانتا تھا یا پھر ان کی قیادت غیر معروف تھی ، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ گذشتہ کئی دہائیوں میں لوگوں کے سامنے جو جماعتیں مشہور ہوئیں وہ غیر اسلامی عقاید کی حامل تھیں ۔ایسی کوئی تنظیم جو قرآنی تعلیمات کی بنیاد پر صحیح اسلامی نظریات کیساتھ ، قرآنی اور دینی تعلیمات کے جاننے والے اور ماہر افراد کے ذریعے سے بنائی گئی ہو اور معاشرے میں روشناس کرائی گئی ہو یا لوگوں کو اس کے بارے میں بتایا گیا ہو ، کا کوئی معقول انتظام نہیں کیا گیا ۔

حزب جمہوری اسلامی کی تشکیل کا تاریخچہ :

اس تجربے کا آغاز انقلاب اسلامی کے بعد حزب جمہوری اسلامی کی تشکیل اور پھیلنے سے ہوا ، خود ہمارے ذہن میں بھی نہیں تھا اس قسم کی جماعت بندیوں اور تنظیموں کے ہوتے ہوئے لوگ حزب جمہوری کا اتنا شاندار استقبال کریں گے ۔

اس میں حرج نہیں آپ بھی سن لیں ، جب ہم اس حزب کا منشور لکھ رہے تھے تو ہم نے طے یہ کیا تھا کہ اس کا پہلا عمومی اجلاس تب بلائیں گے جب اس کے اعضاء کی تعداد 313 تک ہو جائے گی ۔یعنی اصحاب بدر و اصحاب طالوت جتنی ۔

یہ ہم اس وقت سوچ رہے تھے جب دو تین دن بعد ہم نے اس حزب کی تاسیس کا اعلان کرنا تھا ، اور ہمارے خیال میں اعلان کے بعد ایک آدھ بندہ آئے گا رکنیت کیلئے ، پھر دو ، تین اور آئیں گے ، پھر کچھ اور اضافہ ہوں گے ۔ یوں دو تین ماہ تک 313 ارکان پورے ہو ہی جائیں گے ۔اسی تعداد کو ہم نے حزب کے آئین میں بھی لکھا تھا یعنی 300 اراکین ، 313 اس لئے نہیں لکھا کہ لوگ یوں نہ کہیں کہ یہ اپنے آپ کو اصحاب بدر کے درجے کا سمجھ رہے ہیں ۔لہٰذا 300 لکھا گیا لیکن ہمارے دل میں وہی 313 کا عدد ہی تھا ۔

اب جس دن اس حزب کا اعلان کیا گیا تو ظہر تک تقریباً کئی ہزار افراد عضو بن گئے ، اور اگلے چند دنوں میں اسی ہزار لوگوں نے اپنا نام لکھوا دیا تھا اور عملاً عمومی اجلاس بلانا ہی ہمارے لیئے محال ہو گیا ۔اور دو تین سال تک ہم عمومی اجلاس ہی نہ بلوا سکے ۔البتہ الحمد اللہ پچھلے سال توفیق حاصل ہوئی اور یہ اجلاس برگزار کیا گیا ۔جس طرح کے خیالات جماعتوں اور تنظیموں کے بارے میں اس ملک کے لوگوں کے افکار پر حاکم تھے ، ہمیں امید نہیں تھی کہ ہماری جماعت یہاں پاؤں جما پائے گی ۔اس وجہ سے کچھ متدین لوگ جو عرصے سے اسلام ، قرآن اور اسلامی افکار پر کام کر رہے تھے اس حزب کی عضویت سے پہلے امامؒ کے پاس گئے اور ان سے باقاعدہ اجازت لی تاکہ اس حزب کے رکن بنیں ۔ باوجود اس کے کہ انہیں ہم پر اعتماد تھا ، ہمیں جانتے تھے ، پھر بھی کیونکہ جماعت بندی اور تنظیم سازی سیاسی کام تھا جب تک امامؒ سے

پوچھ نہ لیا اور جب امام نے انہیں کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور بے شک اس کے رکن بنیں، تب تک انہوں نے عضویت اختیار نہ کی۔

ایسے حالات تھے اور ہماری جماعت پہلی بار جماعت بندی سے متعلق ایک لمبے عرصے کی بداعتمادی بدبینی اور بے اعتنائی کی فضاء کے ہوتے ہوئے وجود میں آئی۔

اس کی قیادت میں بھی وہ افراد تھے جنہیں لوگ تقریباً جانتے تھے۔ ہر علاقے میں کچھ افراد انہیں پہچانتے تھے اور اگر زیادہ مشہور نہ بھی تھے تو کم از کم ایسے تھے کہ لوگ ذرا سی کوشش سے ان کی زندگی کے بارے میں آگاہی حاصل کر لیتے اور کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کا ماضی خراب ہوتا لہٰذا لوگوں نے قیادت پر اطمینان کا اظہار کیا اور جب امامؒ نے بھی حمایت کی تو حزب نے پوری قوت سے اپنے آئین اور منشور کے تحت اپنے اسلامی اور منطقی اہداف کیلئے کام کرنا شروع کر دیا اور کچھ ہی مدت میں اس کا اتنا استقبال ہوا کہ شاید دو میلین (20 لاکھ) سے زیادہ عضویت کی درخواستیں آ گئیں۔ اب ہمیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس طرح ان کی تنظیم سازی کی جائے، کیونکہ اس قسم کا ہمیں تجربہ ہی نہ تھا کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ 30،20 لاکھ افراد کو کس طرح منظم کریں گے۔ یہ تجربہ بالکل نیا تجربہ تھا۔ یہ تجربہ آج تمام لوگوں کیلئے اور ان کے لئے جو آئندہ آئیں گے اور تمام اسلامی دنیا کے ان افراد کیلئے جو اس ملک اور انقلاب کا مطالعہ کر رہے ہیں اور بڑی توجہ سے مشاہدہ کر رہے ہیں سب کیلئے ایک نمونے کی حیثیت رکھتا ہے، ایک اسلامی تنظیم سازی۔

اسلامی اخلاق اور اسلامی اصول و قوانین کی مکمل اور بے چوں و چرا پابندی واطاعت ایک اسلامی تنظیم کی اضافی ذمہ داری ہے جو شاید دوسری تنظیموں میں نہیں پائی جاتی یا اگر اپنی ذمہ داری سمجھتی بھی ہیں تو اس شدت سے عمل نہیں کرتیں۔

ہمارا شروع سے یہ دعوی ہے کہ تنظیم شہرت کی ہوس مٹانے کے لیئے نہیں، طاقت کے حصول کا ذریعہ نہیں، مقام و منصب کے حصول کی سیڑھی نہیں ہے۔ سماجی حیثیت اور مرتبے کو حاصل کرنے کا وسیلہ نہیں ہے، اس کی دلیل بھی یہی ہے کہ اس کے اہم ترین شخص یعنی شہید آیت اللہ بہشتی رضوان اللہ علیہ نے حزب جمہوری کی بنیاد پر نہ فقط سماجی حیثیت پیدا نہیں کی بلکہ اسکی وجہ سے دشمنوں کے بدترین حملوں کا نشانہ بنے اور آپ سب کو معلوم ہی ہے کہ مرحوم ڈاکٹر بہشتی کے ساتھ کیا کچھ ہوا تھا اور بے پناہ خصوصیات کے علاوہ کہ جن کی بدولت بدخواہوں کے حملوں کا ٹارگٹ بنے ایک وجہ ان حملوں کی یہی حزب تھی جس کے وہ رکن تھے اگر اس میں نہ ہوتے تو شاید ان پر اس قدر حملے نہ کیئے جاتے۔

تنظیم ایک وسیلہ:

پہلے سے ہم یہ اعلان کر چکے ہیں کہ تنظیم انقلاب کے اہداف کی خدمت کے لیئے ایک وسیلہ اور آلہ ہے۔ ایک وسیلہ انقلاب کے وعدوں تک پہنچنے میں آسانی کی خاطر بھی بارہا کہہ چکے ہیں کہ اگر ہماری تنظیم نے ایک دن خدانخواستہ انقلاب اسلامی کے راستے سے معمولی سا بھی انحراف کیا تو ہم خود سب سے پہلے اس کا مواخذہ کریں گے۔ ایک ایسی تنظیم کے وجود کا انقلاب کی خدمت اور انقلاب کے اہداف کے سوا کوئی فلسفہ ہی نہیں اور نہ ہی اس کے وجود کی کوئی دلیل ہے۔

اسلامی تنظیم کے اندرونی روابط:

ایک تنظیم جو ان خصوصیات کی حامل ہو ، اس کے اندرونی تعلقات اور رابطوں کو سو فیصد سیاسی اخلاقیات پر مبنی ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہم نے اپنی تنظیم کا حق ادا نہیں کیا اور اس سے وفا نہیں کی مثلاً تنظیمی برادران اور خواہران کو ایک دوسرے کی غیبت سے پرہیز کرنا چاہیے، ایک دوسرے کے بدخواہ نہ بنیں، خواہ وہ انسان برا ہی کیوں نہ ہو، کسی اچھے انسان کے لیئے تو ویسے ہی کوئی برائی کا نہیں سوچتا۔ جس کے بارے میں جب کوئی یہ فرض کر لیتا ہے کہ وہ اچھا آدمی نہیں ہے تو اس سے بددل ہو کر اسکی بدخواہی پر اتر آتا ہے، آپ یوں بھی نہ کریں۔

(توجہ رہے کہ تنظیم کے ان افراد کے بارے میں کہ جن کے برے ہونے سے اجتماعی برائی اور تنظیم کے برے ہونے کا خطرہ لاحق ہو تو یہاں اصول تبدیل ہو جائے گا)

اسلامی طرز فکر یہ نہیں ہے کہ انسان تمام بندگان خدا کے لیئے بلا استثناء خوش دلی محبت اس کی ہدایت پر مصر اور مہربانی کا سلوک روا رکھے۔ بلکہ کچھ افراد کی مخالفت بھی ضروری ہے۔ انبیاء (ع) روئے زمین پر بسنے والے تمام افراد پر مہربان اور ان سے محبت کرنے والے تھے، البتہ وہ "اشداء علی الکفار" بھی تھے، لیکن پہلے وہ کافروں کو پیار محبت سے خدا پرستی اور توحید کی طرف دعوت دیتے تھے اور ان کی خواہش یہی ہوتی تھی کہ گمراہوں کی ہدایت کریں، لیکن جب اس میں کامیاب نہ ہوتے اور کافر انبیاء (ع) کی ہدایت میں رکاوٹ نہیں بنتے تو انبیاء بھی ان سے کوئی سروکار نہ رکھتے۔ لیکن جب کافر اس بات میں رکاوٹ اور مانع بنتے تھے کہ انبیاء (ع) اپنی ہدایت اور نور کو لوگوں تک پہنچائیں تو پھر وہ ایسی رکاوٹ کو اپنی راہ سے ہٹا دیتے تھے۔ انبیاء (ع) کا یہ عمل بھی درحقیقت ایک قسم کی محبت تھی، دوسرے مسلمانوں کی خاطر۔

ایک تنظیم سے تعلق رکھنے والے تمام برادران اور خواہران کو جاننا چاہیے کہ ان کی بنیادی ترین ذمہ داری میں سے آپس میں ایک دوسرے سے پیار و محبت اور مہربانی کا سلوک اور اسکے ساتھ ساتھ دوسرے افراد سے بھی پیار و محبت کا سلوک رکھنا ہے۔ توجہ رہے کہ اگر آپ ایک دوسرے پر تعمیری تنقید بھی کریں تو یہ بغض اور دشمنی کا موجب نہ بنے، ایک دوسرے کی نسبت کینہ کو اپنی دل میں آنے نہ دیں، دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ افراد ان اخلاقی اصولوں کی پابندی نہیں کرتے اور جان لیجئے کہ یہ ایک اسلامی تنظیم کے اخلاق میں سے نہیں ہیں۔

اسلامی تنظیم کو درپیش اندرونی خطرات:

ایک بار پھر میں ان امور کی تکرار کروں گا کہ جس پر آپ لوگوں کو توجہ کرنی چاہیے کہ اگر تنظیم اسلامی اخلاق اور باہمی محبت اور ایک دوسرے کیلئے اچھے خیالات اور صاف دل رکھنے سے عاری ہو تو جان لیجئے کہ تنظیم کے افکار و پیغام کو پہنچانے کیلئے جس اتحاد اور وابستگی کی ضرورت ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا، یا وجود میں ہی نہیں آئے گا۔ اس بنا پر ہم سب کا فرض ہے کہ ہم اسلامی اخلاق کو اپنائیں تا کہ دوسروں

کیلئے مثالی نمونہ بن سکیں اور اپنی تنظیم کے اتحاد اور وحدت کی حفاظت کرسکیں۔

اگر آپ دیکھیں کہ کسی یونٹ میں آپ کا کوئی بھائی یا بہن اس طرح کام نہیں کرتا جس طرح آپ پسند کرتے ہیں تو ایسا نہ ہو کہ آپ اسے ادھر ادھر اس کی برائی کرنے کا ہتھیار بنالیں۔ میں یہاں موجود برادران اور خواہران کے لیئے یہ بات نہیں کر رہا، آپ کے درمیان شاید ایک بھی ایسا نہ ہو کہ اس میں ایسی کوئی منفی صفت پائی جاتی ہو۔ بلکہ یہ تنظیمی طرز فکر ہے کہ جسے آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں، حتی آپ اگر اس کے مخاطب شمار نہ بھی ہوں۔ بعض افراد کسی تنظیم میں ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ ایک معمولی سی غلطی اور بہانے سے کسی کے خلاف محاذ بنالیتے ہیں۔ جان لیجئے کہ یہ کام تنظیم میں گروپنگ اور دھڑے بندی کا باعث بنتا ہے اور یہ ایک بہت بڑا خطرہ ہے

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کسی عہدے کے لیئے کسی فرد کا یا کسی تنظیمی عہدے دار کا نام لیا جائے تو فوراً اس کا کوئی عیب بیان کر کے اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اگر طے یہ ہو کہ آپ کسی ایسے انسان کو قبول کریں کہ جس میں کوئی بھی عیب موجود نہ ہو تو ایسا انسان آپ کو کہاں سے ملے گا۔ یوں اگر آپ میرے عیوب کو تلاش کرنے لگ جائیں تو ایک بہت ضخیم کتاب مرتب کرلیں گے، لیکن آپ لوگوں نے مجھے قبول کر رکھا ہے۔ (اس تنظیم میں) ہم نے ایک دوسرے کو ان عیوب اور نقائص کے ساتھ قبول کر رکھا ہے۔ ایک ٹیم ورک اور گروہی صورت میں کرنے والے غیر معصوم افراد اسی نظریے کے تحت آپس میں تعاون کرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے میں موجود نقائص اور عیوب قبول کریں گے۔ مثلاً اگر آپ کے مشاہدے میں یہ بات آئے کہ جسے آپ پسند کرتے ہیں ایک دوسرا اسے پسند نہیں کرتا تو یہ آپ کی نظر میں اس کا ایک عیب شمار ہونے لگے گا۔ لیکن کیا یہ اس بات کا موجب بننا چاہیے کہ آپ اسے بالکل جھٹلا دیں۔ افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ بعض اوقات تنظیموں میں دونوں طرف کچھ افراد ایسے موجود ہوتے ہیں جو دھڑے بندیوں اور جماعت میں ایک اور جماعت بندی جیسے مسائل پھیلانے کا باعث بنتے ہیں۔ جان لیجئے کہ یہ تمام باتیں کسی بھی صورت میں تنظیم کی مصلحت میں نہیں ہیں اور یہ کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہیں۔ اسلامی تنظیم کے اصول سب کے لیئے روشن اور واضح ہیں۔

ہمیں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ایک مذہبی تنظیم و جماعت کی فعالیت و سیاست کا بنیادی اور اصلی محور اسلامی اصول و قوانین ہیں جن کی بنیاد پر اسے اتحاد و اتفاق اور ہم آہنگی کیلئے کام کرنا چاہیے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں فلاں شخص کو فلاں سے زیادہ پسند کرتا ہوں اور دوسرا اس کے جواب میں یہ کہے میں بھی فلاں شخص کو فلاں سے زیادہ پسند کرتا ہوں اور وہ اس بات پر ایک دوسرے سے اختلاف کریں تو یہ تنظیمی اصولوں کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ اتحاد کو پارہ کرنے والا ہے اور کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں!

تنظیم سے تعلق رکھنے والے تمام بھائیوں اور بہنوں کو چاہیے کہ وہ اپنی تنظیم کی بھاری ذمہ داری کو پیش نظر رکھتے ہوئے تنظیم میں دوسروں سے متعلق اپنے حسن ظن اور محبت کو زیادہ کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے یونٹ میں سیاسی مسائل اور حالات پر بحث اور تجزیہ و تحلیل نیز اسلامی قوانین کے اوامر و نواہی پر گفتگو کے بجائے کسی خاص سیاسی تفکر اور سیاسی دھڑے بندیوں پر گفتگو شروع کر دیں!

مثلاً ایک مدرسے کا ایک خاص تفکر ہے اور دوسرے میں ایک اور فکر رائج ہے، اب شروع کر دیں ایک دوسرے کی بدگوئی، ہمارے مشاہدے میں ہے بعض افراد ایک جگہ بیٹھتے ہیں اور فلاں علمی شخصیت یا فلاں علمی فکر کی برائیاں شروع کر دیں گے، ادھر سے اٹھ کر جائیں گے تو ایک اور شخص اور سیاسی جماعت کی بدگوئی میں لگ جائیں گے، حتی ایک مخصوص دھڑا بنا لیتے ہیں، البتہ ان میں اتنی پائیداری نہیں ہوتی لیکن ہر چیز کا مسئلہ بنا کر اس کی برائی شروع کر دی جائے تو اسکا کیا نتیجہ نکلے گا؟

کچھ افراد تنظیم سے باہر کسی موثق اور معتبر آگاہی کے بغیر حالات و واقعات کی اپنی بیمار اور مریض ذہنیت سے تحلیل شروع کر دیتے ہیں کہ جناب فلاں تنظیم تو دو دھڑوں میں تقسیم ہوگئی ہے، ایک اور کہے گا تین جبکہ تیسرا کہے گا چار حصوں میں تقسیم ہوگئی ہے، ان میں سے ہر ایک ہر دھڑے کیلئے ایک سربراہ کا بھی تقرر کر دے گا، فلاں کی فلاں سے نہیں بنتی، فلاں اسکا مخالف ہے، اور فلاں اسکا ایک نمبر مخالف ہے، فلاں دو نمبر اور یوں اس کام سے ایک اہم ترین، بڑی اور بہترین سیاسی جماعت کو معاشرے میں داغدار بنانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جو لوگ تنظیم سے باہر رہ کر تنظیم کے داخلی معاملات کو زیر بحث لاتے ہیں، انہیں منہ کی کھانی پڑتی ہے۔ ممکن ہے کہ ایک ہی تنظیم میں آپ کو دو افراد ایسے ملیں کہ جن کے عقائد سو فیصد ایک جیسے نہ ہوں۔ کیا آپ دنیا میں دو انسان ایسے تلاش کر سکتے ہیں جن کے عقائد سو فیصد ایک جیسے ہوں! کیا ہم پانچ آدمی جو شروع سے اکٹھے ہیں اور حزب کی بنیاد ہم نے ڈالی ہے ہر چیز کے بارے میں ایک ہی طرح سے سوچتے ہیں؟ کیا ہماری آپس میں کبھی بحث نہیں ہوتی؟ شوری مرکزی میں شہید بہشتی، شہید باہنر اور دوسروں میں اختلاف رائے کبھی پیش نہ آیا تھا؟ بے شمار ایسے مواقع پیش آئے ہیں۔

اسلامی تنظیم کا بنیادی اصول:

انسان کا باہمی اشتراک، تعاون، اخوت اور آپس کی گفتگو کا مطلب یہ نہیں کہ سب کے سوچنے سمجھنے اور عمل کا انداز ایک جیسا ہو اور مسائل کے بارے میں سب کی تشخیص ایک جیسی ہو، انسانوں کا نقطہ نگاہ بعض اوقات ایک دوسرے سے مختلف اور مخالف ہوتا ہے لیکن عقلمند اور باشعور ترین انسان وہی ہوتے ہیں کہ جب وہ کسی دوسرے انسان کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو اختلافی اور معارض نقاط تلاش کرنے کے بجائے مشترک نقاط کو تلاش کرتے ہیں اور مشترک نقطہ کو مضبوط بناتے ہیں۔

دیکھیے کہ قرآن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے۔ "قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم" اے اہل کتاب، اے یہود، اے نصاری، اے ہمارے قسم خوردہ دشمنوں! تم سب آؤ، نہ کہ ہم سے دور چلے جاؤ، آؤ قریب آؤ، یہ ہے اسلام کا لہجہ "تعالو" یہاں آؤ" الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم" آؤ اس محور پر جمع ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، آؤ مل کر اس پر جمع ہو جاتے ہیں، وہ محور کیا ہے؟ وہ توحید ہے: "ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً

اربابا من دون اللہ"

جب اسلام یہود ونصاریٰ سے کہہ سکتا ہے کہ آؤ ایک محور پر جمع ہو جاؤ تو کیوں ہم اپنے ایک مسلمان بھائی سے ،امام کے پیروکار، تنظیمی سے یہ کہیں کہ چلے جاؤ! کیوں؟ یہ کون سی فکر ہے؟ آپ کی کوشش ہونی چاہیے کہ افراد کو جذب کریں۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ بعض افراد تنظیم میں رہتے ہوئے اپنی تنگ نظری سے تنظیمی اتحاد و وحدت کو مخدوش اور داغدار بناتے ہیں اور چپقلش اور باہمی کشمکش پیدا کرتے ہیں لیکن تنظیمی بہن بھائیوں کی اکثریت اس قسم کے اختلافی مسائل اور باہمی کشمکش سے دور ہیں ،اگر سو فیصد نہ بھی ہوں تو اکثریت ان حرکتوں سے مبرا ہیں۔ کچھ لوگ ہیں جو یہ اختلافی صورتحال پیدا کرتے ہیں، لیکن ان اختلافات اور کشمکش کے دونوں طرف موجود افراد کی اکثریت اچھی اور سالم فکر کی مالک ہے۔ یہ کچھ لوگ ہیں جو پہلے ایک طرف کے کچھ لوگوں کے پاس جا کر کسی دوسرے کے خلاف باتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں، پھر انکے پاس جا کر انہیں پہلے والوں کے خلاف اکساتے ہیں۔ جبکہ خود تنظیمی برادران اور خواہران میں شاید اس قسم کے حقیقی اختلاف سرے سے موجود ہی نہ ہوں!

جبکہ کچھ لوگ موقع کی تلاش میں ہوتے ہیں، کبھی تنظیمی معاملے پر، کبھی اخبار کے مقالے پر، ایک چھوٹے سے مسئلے پر، ایک تصویر پر، کبھی اخبار کی سرخی پر، کبھی وزیر کے منتخب ہونے پر، کسی تقریر پر اور کسی کی زبان سے ادا ہونے والے ایک لفظ پر بے دلیل اختلافات کا ایک پہاڑ کھڑا کر دیتے ہیں!

انشاء اللہ ہم اپنے تربیتی ،سیاسی اور اقتصادی شعبوں کو اور مضبوط کرنے اور فعال کرنے کی کوشش کریں گے، تاکہ فکری مواد تیار ہو اور تنظیم کو مہیا کریں اور یہ شعبے تنظیم میں مرکزی حیثیت کے حامل ہوں تاکہ ان کے بل بوتے پر برادران اور خواہران تنظیمی سیٹ اپ اور اپنے اتحاد کو مزید قوی کر سکیں۔

میری آپ سب کو یہ نصیحت ہے کہ آپ سب تنظیمی برادران اور خواہران کو چاہیے کہ وہ حتی الا مکان اختلافات کو ختم کریں۔ یہ بات جان لیں کہ اگر ایک دوسرے کی خطاؤں سے چشم پوشی اور درگذر نہ کریں گے تو تنظیم سے باہر دشمن آپ کی تاک میں بیٹھا ہے، اور ایک موقع کی تلاش میں ہے کہ تنظیم پر کاری ضرب لگائے اور اسے منہدم کر دے۔

اب یہ دشمن جانتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے یا دوسروں کے ہاتھوں فریب میں مبتلا ہے؟ میں یہاں فی الحال کوئی یقینی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن اگر تلاش کیا جائے تو ایسے افراد کا جو دوسروں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور جو خود مغرض ہیں کا پتا چلایا جا سکتا ہے، جو ہمیشہ تنظیم کو خراب کرنے کے موقعے کی تلاش میں رہتے ہیں، افواہیں پھیلا کر، غلط باتیں تنظیم سے منسوب کر کے، تنظیم کے عہدیداروں کو متہم کر کے یا تنظیم کے فیصلوں پر اعتراض کر کے اسے داغدار اور خراب کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ البتہ تنظیم کو مضبوط بنانا ہمارا فرض ہے، تنظیمی فعالیت کو بنیادی نوعیت کا کام سمجھتے ہیں۔ ہم خدا سے توفیق کی درخواست کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس بنیادی کام کو انشاء اللہ انجام دے سکیں۔

انشاء اللہ یہ توفیق پروردگار ہم سب کو عطا فرمائے کہ انقلاب کے اہداف اور اس کی آخری منازل تک زیادہ تیزی سے قدم بڑھا سکیں۔

دو ہی صورتیں تھیں ایک یہ کہ آپ خاموش ہو کر بیٹھ جاتے اور عبادت کرتے دوسری صورت وہی تھی جو کہ آپ نے اختیار کی یعنی میدان جہاد میں اتر کر اپنی جان جان آفرین کے حوالے کر دی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کو حالات و واقعات نے کام کرنے کا وقت اور موقعہ فراہم کر دیا۔ شہادت تو آپ کو نصیب ہونی تھی۔ آپ کو جونہی موقعہ ملا آپ نے چہار سو علم کی شمعیں روشن کر کے جگہ جگہ روشنی پھیلا دی۔ علم کی روشنی اور عمل کی خوشبو نے ظلمت و جہالت میں ڈوبی ہوئی سوسائٹی کو از سر نو زندہ کر کے اسے روشن و منور کر دیا۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آئمہ اطہار علیہ السلام کی زندگی کا مقصد، مشن اور طریقہ کار ایک جیسا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر امام صادق علیہ السلام نہ ہوتے تو امام حسین علیہ السلام بھی نہ ہوتے۔ اسی طرح امام حسین علیہ السلام نہ ہوتے تو امام صادق نہ ہوتے۔ یہ ہستیاں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے ظلم اور باطل کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہادت پائی۔ پھر آنے والے آئمہ اطہار علیہم السلام نے ان کے فلسفہ شہادت اور مقصد قیام کو عملی لحاظ سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اگرچہ حکومت وقت کے خلاف علانیہ طور پر جنگ شروع نہیں کی تھی۔ لیکن یہ بھی پوری دنیا جانتی ہے کہ آپ حکام وقت سے نہ فقط دور رہے بلکہ خفیہ طور پر ان کے ساتھ بھرپور مقابلہ بھی کیا۔ ایک طرح کی امام علیہ السلام سرد جنگ لڑتے رہے۔ آپ علیہ السلام کی وجہ سے اس وقت کے ظالم حکمرانوں کی ظالمانہ کارروائیوں کی داستانیں عام ہوئیں اور ان کی آمریت کا جنازہ اس طرح اٹھا کہ مستحق لعن ونفریں ٹھہرے، یہی وجہ ہے کہ منصور کو مجبور ہو کر کہنا پڑا کہ:

"ھذا الشجی معترض فی الحلق ۔۔۔"

کہ جعفر بن محمد میرے حلق میں پھنسی ہوئی ہڈی کے مانند ہیں۔ میں نہ ان کو باہر نکال سکتا ہوں اور نہ نگلنے کے قابل رہا ہوں نہ میں ان کا عیب تلاش کر کے ان کو سزا دے سکتا ہوں اور نہ ان کو برداشت کر سکتا ہوں۔

یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے کہ وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ ہمارے خلاف ہے برداشت کر رہا ہوں۔ مجھے پتہ ہے کہ امام علیہ السلام نے ہمارے خلاف لوگوں کو ایک نہ ایک دن اکٹھا کر ہی لینا ہے۔ اس کے باوجود بھی میں اتنا بے بس ہوں کہ ان کے خلاف ذرا بھر اقدام نہیں کر سکتا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنی حسن سیاست اور بہترین حکمت عملی کی بدولت اپنے مکار، عیار اور با اختیار دشمن کو بے بس کیے رکھا۔ ہم سب پر لازم ہے کہ اپنے دشمنوں، مخالفوں کے مقابلے میں ہمہ وقت تیار رہیں۔ ہوشیاری و بیداری کے ساتھ ساتھ ہمارا قومی و ملی اتحاد بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ہمارا بزدل دشمن گھات لگائے بیٹھا ہے۔ وہ کسی وقت بھی ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے۔ طاقت و غلبہ کے تصور کی اہمیت بڑھتی جا رہی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو وقت کی نبض تھام کر سوچ سمجھ کر آگے بڑھتے ہیں اور پھر بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

حزب اللہ کیونکر کامیاب ہے؟

ایک گفتگو جس سے حزب اللہ کی کامیابیوں کو سمجھنے میں رہنمائی موجود ہے

اس مقالے کے دو حصے ہیں ایک حصے میں فقط عزاداری سے متعلق حزب اللہ کے ثقافتی اور تربیتی امور کے مسئول شیخ محمد غسان سے کیے گئے چند سوالات اور دوسرے حصے میں حزب اللہ کے تربیتی، ثقافتی اور فلاحی نظام کا تعارف ہے۔ شیخ محمد غسان کا تعلق جنوبی لبنان سے ہے۔ وہ قم مقدس میں طالب علم رہ چکے ہیں۔ ابھی حال ہی میں یہاں پر تشریف لائے اس موقع پر طلاب نے ان کے ساتھ ایک نشست کا اہتمام کیا۔ جس میں انہوں نے حزب اللہ کی شاندار کامیابی اور امریکہ و اسرائیل کی شکست کے بارے میں چند ایسے حقائق بیان کیے ہیں جو نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔

ہم ان کی تقریر اور سوالات کو مختصر انداز میں تحریر کر رہے ہیں

پہلا حصہ

عزاداری سید الشہداء اور حزب اللہ

سوال: عزاداری سید الشہداء کی عظمت اور اسکے انعقاد میں حزب اللہ کا کیا کردار ہے؟

جواب: فرانسیسی استعمار نے ہمارے کلچر کو مخصوصاً مذہبی لحاظ سے بالکل ختم کر دیا تھا اور عزاداری سید الشہداء پر اس کا گہرا اثر پڑا اور آہستہ آہستہ عزاداری چند ایک رسومات اور بعض خرافات کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔ عاشورا ایک ایسا تہوار بن گیا جس میں روح کربلا نظر نہیں آتی تھی، نہ ظالم سے ٹکرانے کی بات تھی نہ مظلوم کی حمایت کی، نہ دین کی بات ہوتی تھی نہ امام حسین کے قیام کے مقصد کی۔۔ حزب اللہ نے آ کر دوبارہ سے عزاداری سید الشہداء کا احیاء کیا اور کل یوم عاشورا و کل ارض کربلا کو لبنانی سرزمین پر عملی کیا۔ آج حزب اللہ کا ہر جوان جو اسرائیل کے خلاف صف اول کے مورچوں میں نظر آتا ہے اس نے یہ عملی درس عاشورا اور کربلا سے لیا ہے۔ اس نے جان لیا کہ لبنان کی سرزمین کربلا ہے اور ہم امام حسینؑ کی پیروی میں یزید وقت اسرائیل کے خلاف برسرپیکار ہیں۔

جس طرح امام خمینی نے انقلاب اسلامی ایران کی بنیاد کو عاشورا قرار دیا ہے اور کہا کہ یہ انقلاب عاشورا کی بدولت ہے اسی طرح حزب اللہ کی اٴسیس بھی امام خمینی کے حکم سے عاشورا ہی کی بنیاد پر رکھی گئی۔ شہید عباس موسوی فرماتے ہیں کہ 1982ء میں جب اسرائیل لبنان میں داخل ہوا اور لبنانی مسلمانوں پر ظلم و ستم کا آغاز کیا تو ہم امام خمینی کے پاس ایک وفد کی صورت میں آئے اور امام سے لبنان کی صورت حال پر اپنی شرعی تکلیف پوچھی۔ تو امام نے ایک جملہ کہا کہ آپ جس مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں وہ کربلائی مرحلہ ہے، آپ کو چاہیے کہ امام حسینؑ کی طرح قربانیاں دینے کیلئے تیار ہو جائیں۔ پھر ہم لبنان آئے اور حزب اللہ کی بنیاد رکھی گئی اور لبنان کو کربلا بنا دیا۔ لہٰذا یہ سب کچھ عزاداری سید الشہداء کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی سپر طاقت حزب اللہ کا

مقابلہ نہ کر سکی۔

آج یوم عاشور حسن نصر اللہ ایک بہت بڑے جلسے اور مجلس عزاء سے خطاب کرتے ہیں جس میں حکومتی افراد، تمام سیاسی پارٹیاں حتیٰ عیسائی بھی شریک ہوتے ہیں جس میں وہ امام حسینؑ کے قیام اور مقاصد کو بیان کرتے ہیں۔حزب اللہ عزاداری کے سیاسی پہلو سے خوب استفادہ کرتی ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ یہ حق و باطل کا معرکہ تھا۔کربلا ایک عظیم درسگاہ ہے اس میں درس شجاعت اور درس آزادی پایا جاتا ہے۔امام خمینی عظمت محرم کے بارے میں فرماتے ہیں: ہمارے پاس جو بھی اسلامی تعلیمات کا سرمایہ ہے وہ محرم وصفر کی برکات کا نتیجہ ہے۔

حزب اللہ نے بھی کربلا سے شہادت اور شجاعت کا درس لیا ہے۔ سید حسن نصر اللہ نے سیرتِ امام حسین پر چلتے ہوئے اپنے اٹھارہ سالہ بیٹے ھادی نصر اللہ کی قربانی دی۔

رہا مسئلہ عزاداری کے انعقاد کا۔۔۔تو حزب اللہ ایام عزا کو بہت اہتمام کے ساتھ مناتی ہے۔حزب اللہ نے اپنی تشکیل کے ابتدائی سالوں میں ہی محرم الحرام کی مجالس کے انعقاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چنانچہ لبنان میں جہاں ایک امام بارگاہ تھی دوسرے سال اس دیہات میں شہری، محلے میں دو امام بارگاہ بن گئے اگر کسی محلے والے امام بارگاہ تعمیر نہ کر سکے تو انہوں نے کھلے میدان میں ٹینٹ اور خیمے لگا کر مراسم عزاداری برپا کیے۔ یہ حزب اللہ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔

سوال: لبنان میں خطباء واعظین اور علماء کرام مجالس میں کن پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں؟

جواب: لبنان میں جو مجالس برپا ہوتی ہیں ان میں علماء، خطباء اور واعظین سیرتِ رسول اکرم، سیرت انبیاء اور سیرت آئمہ معصومین کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔سامعین بھی بڑی توجہ کے ساتھ ان کی گفتگو سنتے ہیں۔

سوال: کیا مجالس عزا میں شیعہ کے علاوہ دوسرے فرقے اور مذاہب بھی شریک ہوتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! ان مجالس عزا میں سنی حضرات کے علاوہ عیسائی بھی شریک ہوتے ہیں۔

سوال: لبنان میں کس خطیب کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے؟ اور مجالس کا عام طور پر کیا وقت ہے؟

جواب: لبنان میں سب سے زیادہ حجۃ الاسلام والمسلمین سید حسن نصر اللہ کی مجالس سنتے ہیں اور ہمارے ہاں تمام مجالس دن کو ہوتی ہیں۔رات کے وقت لوگ اپنے گھروں میں چلے جاتے ہیں اس لیے کہ رات کے وقت سید حسن نصر اللہ کی تقریر ٹی وی سے نشر ہوتی ہے جسے لبنان کے سب لوگ سنتے ہیں۔

سوال: آپ کے ہاں عاشورا کس طرح منایا جاتا ہے؟

جواب: ہمارے ہاں بھی عاشورا کے دن مجالس عزاء منعقد ہوتی ہیں، روز عاشورا ماتم ہوتا ہے لوگ اس دن خون کے عطیات دیتے ہیں اس کے علاوہ ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ لبنان کے شیعہ عزاداری کے تمام مراسم کے انعقاد میں علماء کی پیروی کرتے ہیں۔علماء کرام جو کہتے ہیں عوام اس پر عمل کرتے ہیں جس سے وہ روک دیں رُک جاتے ہیں کیونکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارا مذہب عقلی بنیادوں پر استوار ہے۔لہٰذا ہمیں ایام محرم میں وہ کام کرنے چاہئیں جن کا انسانی عقل تقاضا کرتی ہے۔

دوسرا حصہ

حزب اللہ کا تاریخچہ

لبنان 1948ء میں فرانس سے ایک معاہدے کے تحت آزاد ہوا اور اسی معاہدے کے تحت برطانیہ نے سرزمین فلسطین اسرائیلی صیہونیوں کو دی۔

لبنان میں مسلمان ہمیشہ مظلومیت کی زندگی گزارتے رہے ہیں یہ مظلومیت 1980ء تک جاری رہی۔البتہ لبنانی معاشرے میں ترقی و پیشرفت اور فلاح و بہبود کیلئے ایک مایہ ناز عالم دین علامہ شرف الدین موسوی نے نہایت محنت اور جانفشانی سے کام کیا ان کے بعد سید موسیٰ صدر نے لبنانی عوام میں ایک نئی روح پھونکی انہوں نے ادنیٰ درجے کے لوگوں کی اقتصادی

اور معاشی حالت بہتر بنانے کیلئے کام شروع کیا اور اپنی تحریک کا نام حرکت المحرومین یعنی محرومین اور غریبوں کی جماعت رکھا، جو اب تحریک امل کے نام سے کام کر رہی ہے، بعد ازاں سید موسیٰ صدر اغوا کر لیے گئے جو ابھی تک نہیں مل سکے۔

حزب اللہ کی تشکیل:

1982ء میں اسرائیل نے فلسطینی چھاپہ ماروں کو پکڑنے کے بہانے لبنان پر حملہ کیا اور وہ بغیر کسی مزاحمت کے، بیروت تک پہنچ گئے۔ اسی دوران امام خمینی کے پیروکار نوجوانوں نے اسرائیل کے خلاف کاروائیاں شروع کر دیں۔ فرانسیسی اور امریکی میرین ساحل لبنان پر آنا شروع ہو گئے یہاں پر حزب اللہ نے ان کے خلاف کاروائیاں شروع کر دیں یہ 1982 و 1983ء کے سال تھے اور اپنی شہادت طلبانہ کاروائی میں امریکی میرین کے ہیڈ کوارٹر میں ایک زبردست دھماکہ کیا اور پھر 5 منٹ بعد فرانسیسی فوجیوں کے دفتر میں دھماکہ ہوا اور اوزاعی میں دو بدو لڑائی کی۔ صیدا میں حزب اللّٰہی جوانوں کا اسرائیل سے زبردست مقابلہ ہوا اس کے ساتھ ہی حزب اللہ کی طاقت میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا پھر پانچ ماہ کے اندر اندر اسرائیلی فوج عقب نشینی اختیار کر گئے۔

1985ء سے 2000ء تک وقفے وقفے سے بارڈر ایریا کے قریب جھڑپیں ہوتی رہیں۔ حزب اللہ نے اسرائیل کے مورچے ختم کر دیئے اور اپنے بارڈرز کی حفاظت بھی سخت کر دی۔ ساتھ ہی کئی جوانوں کو کمانڈوز کی تربیت دی اور اپنی عسکری قوت میں اضافہ کیا۔

1993ء میں حزب اللہ کو ختم کرنے کیلئے اسرائیل نے حملے کیے مگر حزب اللہ نے پامردی اور استقامت کا مظاہرہ کیا اور اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ اگر اسرائیل کسی لبنانی شہر پر بمباری کرتا تو ہم بھی ان کے جواب میں اسرائیلی شہروں پر راکٹ برساتے جس سے اسرائیل بوکھلا گیا۔

حزب اللہ کو ختم کرنے کیلئے اسرائیل نے ایک نئی چال چلی۔ اُس نے لبنان میں عیسائی، سنی اور شیعہ گروہوں پر مشتمل ایک فوج بنائی کہ یہ حزب اللہ کا مقابلہ کرے مگر اُن کی یہ سازش بھی ناکام ہوئی۔

حزب اللہ نے سن 2000ء میں تقریباً دو سو گاؤں اور شہر آزاد کرائے۔ یہ علاقے 30 سال تک اسرائیل کے زیر قبضہ رہ چکے تھے۔ تیس سال بعد ان علاقوں کے باشندے اپنے اپنے گھروں میں واپس آئے اور انہوں نے سید حسن نصر اللہ کا بہت شکریہ ادا کیا کہ ان کی مزاحمت اور شجاعت کے باعث اُنہیں اپنے علاقوں میں دوبارہ پلٹنا نصیب ہوا ہے۔

سن 2000ء کے بعد ایک طرف اسرائیل نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کیلئے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور دوسری طرف حزب اللہ نے اسرائیل کی طرف سے کسی بھی ممکنہ شر انگیزی سے نمٹنے کیلئے اپنے آپ کو آمادہ کرنا شروع کیا۔

اس کے بعد طلاب نے شیخ محمد غسان سے کچھ سوالات پوچھے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

سوال: موجودہ جنگ میں اسرائیل کے کیا اہداف تھے؟ اور در پردہ کونسے لوگ اسرائیل سے ملے ہوئے تھے؟

جواب: اس جنگ میں اسرائیل کا ہدف فقط لبنان اور حزب اللہ ہی نہیں تھا بلکہ اس کا اصل ہدف جدید مشرق وسطیٰ کی تشکیل اور ایران کے جدید ایٹمی پروگرام کو روکنا تھا۔ ان مقاصد کی تکمیل کیلئے امریکہ نے اسرائیل کے ساتھ مالی، سفارتی اور سیاسی ہر طرح کا تعاون کیا۔

اس سال 2006ء میں اسرائیل کا ارادہ تھا کہ یوم القدس کے موقع پر جب سید حسن نصر اللہ تقریر کرنے آئیں گے اور ان کے ساتھ اس جلسہ میں حزب اللہ کے کئی اہم رہنما، کارکنان اور عوام کی بھاری تعداد ہو گی تو ان پر بمباری کر کے تہس نہس کر دیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ حزب اللہ کے ہاتھوں کچھ اسرائیلی سپاہی واصل جہنم ہوئے اور تین قیدی ہو گئے۔ پھر انہی قیدیوں کے چھڑوانے کا بہانہ بنا کر اسرائیل نے حزب اللہ کے خلاف جنگ کا آغاز کر دیا۔ امریکہ نے اسرائیل کو دس دن کا ٹارگٹ دیا۔ اس جنگ میں امریکی جہازوں نے بھی حزب اللہ کو نشانہ بنایا اور لبنانی گورنمنٹ بھی در پردہ اسرائیل کی مدد کرتی رہی۔ جس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ سابق وزیر اعظم رفیق حریری کے بیٹے سعد حریری نے سید حسن نصر اللہ کو ٹیلیفون پر دھمکی

دی کہ جنگ بندکی جائے اور ہتھیارڈال دیئے جائیں ورنہ یہ حملے جاری رہیں گے۔

اوراسی طرح عرب حکمرانوں کی ہمدردیاں اسرائیل وامریکہ کے ساتھ رہیں۔ دوران جنگ اسرائیل کی اندھادھند بمباری سے شروع میں حزب اللہ کوسخت نقصان اٹھانا پڑا۔حزب اللہ نے ابتداء میں صرف نزدیکی اسرائیلی دیہاتوں پرراکٹ برسائے۔جس پراسرائیلی وزیراعظم نے کہاکہ ہم نے حزب اللہ کی میزائل پاورختم کردی ہے جس کی تھوڑی دیر کے بعد حزب اللہ نے جنوبی لبنان سے اسرائیلی شہرحیفا پر حملہ کردیا۔اگرچہ اسرائیل نے اس جنگ کے دوران لبنان کے تمام پلوں اورسڑکوں کوتباہ وبرباد کرڈالا۔ ایمبولینسوں کوبھی نشانہ بنایاحتی کہ موٹر سائیکل سواروں کوشمال سے جنوبی لبنان تک سفرنہیں کرنے دیاگیا۔

ان مقاصد کیلئے اسرائیلی بغیر پائلٹ کے طیارے استعمال کرتے تھے اورسیٹیلائٹ سے بھی استفادہ کرتے تھے۔حزب اللہ نے بھی سیٹیلائٹ سے استفادہ کرنا شروع کردیا۔حزب اللہ کے پاس شام کے بنے ہوئے چارقسم کے میزائل تھے۔عرب ممالک ان کواستعمال ہوتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ حزب اللہ نے ان راکٹوں میں خود کچھ تبدیلیاں کیں اور پھرانہیں راکٹوں سے میرکاوہ ٹینکوں کوتباہ کیا۔عام طورپرٹینک (Tank) کاوزن 40 ٹن ہوتا ہے مگر میرکاوہ ٹینک کاوزن 65ٹن تھا۔اس ٹینک میں 9افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔جب یہ چلتا تھا توایسے لگتا تھا جیسے زلزلہ آگیا ہومگر اس کے باوجود ہمارے راکٹ پہلے ٹینک میں سوارخ کرتے اور پھراندر جاکر پھٹ جاتے تھے۔جس سے ٹینک فوراًتباہ ہوجاتا تھا۔اس جنگ میں ایک مجاہد نے 17 ٹینک اُڑائے اورایک وادی میں200 ٹینک تباہ ہوئے۔

حالیہ جنگ میں امام زمانہ(عج) کاخاص لطف:

اس جنگ میں امام زمانہ علیہ الصلاۃ والسلام کاخاص لطف وکرم رہا۔بہت سے مجاہد دوستوں نے امام کوخواب میں دیکھا۔خاص کرراکٹ فورس کے انچارج نے حضرت زہراسلام اللہ علیہا کوخواب میں دیکھا کہ وہ امام زمانہ سے فرمارہی تھیں:اسرائیلیوں کومارواورمت ڈرو۔

بعض ایسے علاقے جن میں حزب اللہ کی دسترس نہیں تھی وہاں خدائی امداد دیکھی۔اوریوں یہ جنگ ایک معجزاتی نتیجے پراختتام پذیرہوئی۔ اس جنگ کے دوران آیت اللہ محمد حسین فضل اللہ نے حزب اللہ کو ایھا البدریون (بدر والے) کہہ کر خطاب کیا اسلحہ کے لحاظ سے حزب اللہ اور اسرائیل کاکوئی موازنہ نہیں ہے۔اگرحزب اللہ ختم ہوجاتی توعالم اسلام پر بہت برے اثرات پڑتے جب امریکہ واسرائیل جنگ میں ناکام ہوئے تومذاکرات پراُترآئے تاکہ جوکامیابی جنگ میں حاصل نہیں کرسکے اب اسے سیاسی میزپرحاصل کریں لیکن اس میں بھی انہیں ناکامی ہوئی۔

سوال:لبنان میں موجود بین الاقوامی افواج کی تعیناتی پرآپ کیا کہتے ہیں؟

جواب:اس جنگ میں پچاس ہزار اسرائیلی فوجی حزب اللہ کا مقابلہ نہیں کرسکے تویہ موجودہ بین الاقوامی فوجیں جولبنان میں آئی ہوئی ہیں وہ حزب اللہ کا مقابلہ کیا کریں گی یہ حزب اللہ سے ٹکرلینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

حزب اللہ اورولایت فقیہ:

حزب اللہ کی کامیابی ولایت فقیہ کی رہنمائی کی وجہ سے حاصل ہوئی حزب اللہ ولی امرمسلمین سیدعلی خامنہ ای کے تابع ہے اوران کی ہربات پر سرکٹوانے کیلئے تیار ہے۔اس جنگ میں (رہبر) ولی امرمسلمین نے سیدحسن نصراللہ کوٹیلیفون کرتے ہوئے فرمایاکہ میں جمکران گیا ہوں وہاں تمہارے لیے دعاکی ہے انشاءاللہ کامیابی آپ کی ہے۔

اس جنگ میں پوری دنیاکے مومنین اورمسلمانوں نے حزب اللہ کی کامیابی کیلئے دعائیں کیں۔لبنان میں تین چارسالہ بچے بھی ہزارہزار درود اورصلواتیں پڑھتے اورحزب اللہ کی کامیابی کیلئے دعائیں کرتے رہے۔

حزب اللہ میں شمولیت کاطریقہ کار:

سوال:حزب اللہ میں شمولیت کاطریقہ کارکیاہے؟

جواب:حزب اللہ ایک نہایت ہی مقبول جماعت ہے جس میں

چھوٹے بچوں سے لیکر کالج اور یونیورسٹیز کے طالب علم، ڈاکٹرز، انجینیئرز اور علماء شامل ہیں۔ جب بھی کوئی بین الاقوامی مبصر حزب اللہ سے انٹرویو لینے آتا ہے اس سے پڑھے لکھے نوجوان ملتے ہیں جن سے وہ گفتگو کرتا ہے۔ حزب اللہ جاہل اور ناکارہ افراد کا گروہ نہیں ہے، بلکہ لائق ذہین اور محنتی نوجوانوں کا گروہ ہے۔

حزب اللہ کے جوان 24 گھنٹوں تک بڑی خوشی اور جانفشانی سے کام کرتے ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دشمن دن رات کام کر رہا ہے ہم بھی پھر اسی رفتار کے ساتھ کام کرتے ہیں۔

جب بھی کوئی کوئی حزب اللہ میں شامل ہونا چاہتا ہے ہم دو سال تک اس کی نگرانی کرتے ہیں اور اس کی دینی اور معنوی تربیت کرتے ہیں۔ روایت میں ہے کہ ایک کمزور مومن سے قوی مومن بہتر ہے، ہم آج کا کام کل پر نہیں چھوڑتے۔

سوال: حزب اللہ کا تربیتی نظام کیسا ہے؟

جواب: ہم حزب اللہی نوجوانوں کی فوجی ٹریننگ کے ساتھ معنوی تربیت بھی کرتے ہیں ہم تعطیلات میں کئی جگہوں پر کیمپ لگاتے ہیں اس میں ہزاروں کی تعداد میں نوجوان شریک ہوتے ہیں وہاں پر انہیں احکام، تاریخ، عقائد وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور پھر جو اس کیمپ میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرے ہم اسے اچھے انعامات دیتے ہیں۔ مثلاً سیدہ زینب کی زیارت، حجر بن عدی کی زیارت وغیرہ۔۔

سوال: ہم طلاب آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟ کیا ہم سے کوئی لبنان آنا چاہے تو آسکتا ہے؟

جواب: ہم آپ کے تعاون کے بے حد مشکور ہیں دفاعی حوالے سے ہم اتنے مضبوط ہیں کہ اپنے ملک کا دفاع کر سکتے ہیں۔ آپ کے اخلاقی تعاون اور دعاؤں کے ہم محتاج ہیں (آپ لبنان آئیں ہم آپ کی مہمان نوازی کریں گے) ہمارا تربیتی نظام دیکھیں ہم نوجوانوں کی کس طرح تربیت کرتے ہیں۔ بہت سے نوجوان شروع میں ایسے ہوتے ہیں جو برائیوں میں مبتلا ہوتے ہیں گناہ کرتے ہیں شراب پیتے ہیں مگر ہمارے تربیتی کیمپوں میں آنے کے بعد گناہ چھوڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نماز کے پابند ہو جاتے ہیں۔

سوال: ہم اپنے ملک میں رہتے ہوئے آپ کے ساتھ کیا تعاون کر سکتے ہیں؟

جواب: آپ ہمارے تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے نوجوانوں کی تربیت کریں جس طرح ہم نے دشمن کا مقابلہ کیا آپ بھی عالمی استعمار و استکبار کا مقابلہ کریں۔ وہاں حزب اللہ جیسا فلاحی و تربیتی نظام تشکیل دیں۔

سوال: حزب اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے ایران پیسے اور اسلحہ دے رہا ہے۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: ہم ولایت فقیہ کے معتقد ہیں اور ہر فرمان میں ان کے تابع ہیں لیکن اگر آپ لبنانی معاشرے پر غور کریں تو اس وقت لبنان کی آبادی 40 لاکھ ہے۔ اس سے دوگنا (یعنی 80 لاکھ) لبنانی عوام اپنے ملک سے باہر رہتی ہے وہ ہماری مکمل امداد کرتے ہیں۔ وہ ہمیں رقم دیتے وقت کہتے ہیں کہ یہ رقم میزائل کے لیے مخصوص ہے اور یہ فلاں اسلحہ کے لیے ہے اور یہ فلاحی کاموں کیلئے ہے۔

سوال: یہودی دولت کے بہت دلدادہ ہوتے ہیں کیا آپ نے اُن کا اقتصادی نقصان کیا؟ اور کیا آپ اپنی معیشت کیلئے کام کر رہے ہیں؟

جواب: اسرائیل کے ستر فیصد اقتصادی مراکز اور سیاحتی ادارے لبنان بارڈر کے ساتھ ملتے ہیں اس جنگ کے دوران ان کے یہ تجارتی اور سیاحتی مراکز بند ہو گئے۔ انہوں نے ہمارا بھی اقتصادی اور تجارتی بہت نقصان کیا ہماری کئی فیکٹریوں کو تباہ کیا۔ ہم لبنانی عوام کی بہتری کیلئے دن رات کام کر رہے ہیں۔

سوال: کیا حزب اللہ نے اپنی فضائی قوت کے بارے میں بھی کبھی سوچا؟

جواب: اس بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا چونکہ حزب اللہ ایک تنظیم ہے حکومت نہیں یہ کام حکومتوں کے ہوا کرتے ہیں۔

اتحاد بین المسلمین کا عالمی منشور!

رہبر انقلاب اسلامی ایران

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای

ترجمہ: سید صادق رضا نقوی

انقلاب اسلامی ایران کے راہبر، ولی امر مسلمین حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای نے ۱۷ ربیع الاول ۱۴۲۸ کو عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر تہران میں منعقدہ بین الاقوامی اتحاد بین المسلمین کانفرنس سے ایک فکر انگیز خطاب فرمایا جس کا ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

میلاد النبی کا دن، ایک عظیم دن

آج تاریخ اسلام بلکہ تاریخ بشریت کا ایک عظیم دن ہے؛ آج نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور امام جعفر صادق ولادت باسعادت کا دن ہے اور اس دن کی برکتیں ان معصوم ہستیوں کی ولادت کی وجہ سے مسلمانوں پر بہت زیادہ ہیں۔ ان ایام کی تکریم و تجلیل ہمارے لئے یاد آوری کا باعث بنتی ہے، یعنی ہمیں اس دن کے مولود کی عظمت کی یاد دلاتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسانی فہم و ادراک اس عظیم ہستی کی بلند و بالا روح اور نورانیت کو صحیح طور پر درک کرسکنے سے قاصر ہے۔

آج مسلمان اور انسان ہونے کے ناطے ہم حضرت ختمی المرتبت ﷺ کے محتاج ہیں اور صرف ہم ہی نہیں بلکہ پوری بشریت کو ان کی ضرورت ہے، کیونکہ پیغمبر اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں نہ کہ رحمۃ للمسلمین۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پورا عالم بشریت، پیغمبر اکرم ﷺ کی رحمتوں اور برکتوں کے سائے میں زندگی گزار رہا ہے رسالت کے عنوان سے بشریت کو جو پیغام دیا ہے اس کا خلاصہ قرآن کریم کی شکل میں آج ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اور ہم اس سے بہرہ مند ہوسکتے ہیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی دعوت اور آپ ﷺ کا راستہ

حضرت ختمی مرتبت ﷺ نے بشریت کے لئے نجات کا راستہ کھولا لوگوں کو اصلاح کا راستہ دکھایا اور عالم بشریت کو ایک ایسے راستے پر قدم اٹھانے اور حرکت کرنے کی ترغیب دلائی کہ جس پر قدم اٹھانے سے بشریت کی تمام مشکلات حل ہوسکتی ہیں اور اس کے تمام دردوں کا مداوا ہوسکتا ہے۔ عالم بشریت کے بہت سے ایسے گہرے زخم اور بیماریاں اور بہت سے ایسے درد ہیں کہ جو کسی ایک خاص زمانے سے تعلق نہیں رکھتے ہیں۔ بشریت کو عدل انصاف کی ضرورت ہے، وہ ہدایت و راہنمائی کی محتاج ہے اور وہ اعلیٰ انسانی اخلاق کی نیاز مند ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسانی عقل خداوند عالم کی طرف سے مبعوث کیے جانے والے انبیاء کی مدد کی محتاج ہے۔ یہ وہ راہ ہے کہ جسے حضرت ختمی مرتبت ﷺ نے پوری وسعت سے اور ہدایت کی کامل ظرفیت کے ساتھ کھولا ہے۔

وہ چیز جو اس بات کا سبب بنی ہے اور آئندہ بھی بنے گی کہ انسان خداوند عالم کی اس ہدایت و اعانت سے بہرہ مند نہ ہوسکیں اس کا تعلق خود ہم انسانوں سے ہے، وہ ہماری جہالت سے تعلق رکھتی ہے، اس میں ہماری کوتاہی اور کاہلی کا بڑا کردار ہے اور اس میں ہماری ہوا و ہوس اور خواہشات انسانی کا بہت عمل دخل ہے۔ انسان اگر آنکھیں کھولے، عقل سے کام لے، اپنی آنکھوں کو

بلند کرے، قدم اٹھائے اور حرکت کرے تو یہ راہ کھلی ہے۔ اس طرح انسانیت کے تمام گہرے زخموں، پرانی بیماریوں اور مشکلات کا علاج ہو ممکن ہے۔ اس خدائی دعوت کے مقابلے میں شیطانی دعوت ہے کہ جس نے اپنے لاؤ لشکر، دوستوں اور شاگردوں کو انبیاء کے مقابلے کے لئے ہر دور میں جمع کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان دوراہے پر کھڑا ہے کہ کس راہ کا انتخاب کرے۔

اسلامی بیداری کی ایک نئی لہر

ایک طولانی خواب غفلت اور کئی صدیوں تک اسلامی تعلیمات کے صاف وشفاف چشمے سے دور رہنے کے بعد آج پوری امت مسلمہ اسلامی شریعت اور قوانین کو ایک نئے انداز وزاوئے سے دیکھ رہی ہے۔ آج پوری انسانیت نے دنیائے اسلام اور امت مسلمہ سے اسلامی احکامات اور تعلیمات لینے کے لیے اپنی آنکھیں کھول لی ہیں۔ اس لئے کہ انسان کے اپنے بنائے ہوئے مفروضوں اور فلسفوں کا ضعف وناتوانی کھل کر سامنے آگئی ہے۔ آج دنیائے اسلام، اسلامی شریعت وتعلیمات سے تمسک کرتے ہوئے اپنے کمال وارتقاء میں عالم بشریت میں سب سے آگے ہو سکتی ہے۔

آج دنیا، امت مسلمہ کے اٹھتے ہوئے قدموں کو دیکھ رہی ہے، انسان نے اپنے علمی ترقی کی وجہ سے اخلاق، روحانیت اور روح دین کو فراموش کر دیا ہے۔ بشریت کی علم ودانش میں ترقی اور کائنات کے حقائق پر انسان کی نگاہ تو امت مسلمہ کی حرکت کے لئے بہترین ماحول فراہم کر سکتی ہے۔ اسلامی تعلیمات ومعارف آج امت مسلمہ کے اختیار میں ہیں، اسی طرح سیرت نبویؐ، کلام نبوی اور سب سے بڑھ کر قرآن کریم دنیائے اسلام کے پاس موجود ہے اور دنیائے اسلام آگے بڑھ سکتی ہے۔ میں یہاں آپ کی خدمت میں عالمی حالات کے تناظر میں دو تین بنیادی نکات عرض کروں گا۔

۱۔ پہلی حقیقت: دنیائے اسلام کی بیداری ہے۔ آج سے سو سال قبل دنیائے اسلام کے مصلح افراد دنیائے اسلام کے مغرب ومشرق کے مختلف ممالک میں غریبانہ ماحول وفضا میں جو باتیں کرتے تھے وہ آج لوگوں کی زبانوں پر شعار کی صورت میں موجود ہیں؛ یعنی ××× اسلام کی طرف برگشت، احیاء قرآن، امت واحدہ کا تصور اور دنیائے اسلام کی عزت وقدرت ×××۔ یعنی وہ تمام چیزیں جنہیں مسلمان معاشروں کے مصلح افراد اپنے اپنے محدود پیمانوں پر خاص افراد کے درمیان ایک دور ودراز ہدف کے عنوان سے بیان کرتے تھے۔ آج وہی اہداف زبان زد خاص وعام ہیں اور مسلمانوں کے درمیان زندہ نعروں کی حیثیت سے موجیں مار رہے ہیں۔

آپ ایک ایک اسلامی ملک پر نگاہ کیجئے خصوصا نوجوانوں، تعلیم یافتہ اور روشن فکر افراد کے درمیان یہ نعرے زندہ ہیں اور یہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اسلامی تشخص ابھی تک دلوں میں زندہ ہے۔ البتہ اسلامی جمہوریہ ایران میں اسلام کی کامیابی اور بالادستی اس سلسلے میں ایک بہت بڑی مثال ہے۔ ایرانی عوام نے اپنے ایثار وفداکاری، استقامت اور عزت اسلامی کے پرچم کو اپنے ہاتھ میں لینے کے ذریعے سے تمام مسلمان اقوام میں ایک نئی روح پھونک دی ہے اور انہیں ان کے مستقبل کے بارے میں پُر امید بنا دیا ہے۔ آپ اس امید کے نتائج کو دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں ملاحظہ کر سکتے ہیں اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

۲۔ دوسری ناقابل انکار حقیقت یہ ہے کہ دنیائے اسلام سے عالمی استکبار کی دشمنی پہلے سے زیادہ سنجیدہ تیز اور ہمہ جانبہ ہوگئی ہے: ثقافتی لحاظ سے، سیاسی پروپیگنڈے کی جہت سے، سیاسی اقدامات کی نظر سے اور اقتصادی ومعاشی طور پر بھی۔ لہٰذا امت مسلمہ کی بیداری عالمی استکبار کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ بن گئی ہے۔

استکباری طاقتیں یعنی جنہوں نے دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو اپنے اقتدار کے پنجوں میں دبوچا ہوا ہے، بین الاقوامی صیہونی نیٹ ورک، امریکہ کی دھونس ودھمکی کی سیاست اور ان کے مالی ادارے اور کمپنیاں کہ جو عالمی سطح پر تسلط جمانے والے اس نیٹ ورک کے حامی وطرفدار ہیں، دنیائے اسلام میں روز بروز بڑھنے والی بیداری سے خوف زدہ ہیں اور اپنے خوف وخطر کا اپنی زبان سے بھی اعتراف کرتے ہیں۔

آج مختلف محاذوں سے اسلام پر جو حملے کیے جا رہے ہیں وہ ایک باقاعدہ حساب وکتاب کے تحت ہیں اور پہلے سے تیار شدہ ایک منظم منصوبہ بندی کا حصہ ہیں۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ امریکی وزیر خارجہ رائس، اسلام کے خلاف جو بات کرتی ہے، اسی بات کو عیسائیت کا ایک بڑا پادری (پاپ) اپنی زبان سے دہراتا ہے! ہم یہاں شخصیات کو زیر بحث نہیں لانا چاہتے بلکہ ان

مسائل پر تجزیہ وتحلیل پیش کر رہے ہیں، یہ چیزیں ہرگز اتفاقی نہیں ہوسکتیں۔

مطبوعات میں پیغمبر اسلام کی شان میں جسارت واہانت، دین ومذہب کے عنوان سے اسلام پر تہمتوں کا لگانا، مسلمان اقوام پر الزام تراشیاں اور دوسری طرف سے صلیبی جنگوں کا دم بھرنے والے سیاسی افراد کا علی الاعلان مسلمان اقوام کے خلاف زہر اگلنا اور اپنی دشمنی کا اظہار کرنا، ان سب سے کوئی ایک بھی اتفاقی بات نہیں ہے۔ آج دشمن ایک متحدہ محاذ بنا کر امت مسلمہ کے مقابلے پر اپنی دشمنی کے نشتر مسلسل چلا رہا ہے اور یران میں اسلامی انقلاب کے بعد اس دشمنی اور حملوں میں بہت تیزی آگئی ہے۔

۳۔ یہاں تیسری حقیقت بھی بہت اہم اور قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ اس دو بدو جنگ میں ظاہری اور مادی حقائق کے برخلاف قدرت مند اور غالب قوتیں جو فوجی اور اقتصادی طاقت سے مالامال ہیں، امت مسلمہ، مسلمان اقوام اور عالم اسلام کی بیداری وتحرک کے سامنے مغلوب ہوگئی ہیں۔ یہ بات بہت قابل توجہ ہے کہ مشرق وسطی خصوصا مسئلہ فلسطین اور اس خطے کے دیگر مسائل مثلاً عراق ولبنان کے مسائل میں امریکا کی استکباری قوت اپنے تمام تر مادی وسائل کے ساتھ میدان میں آئے اور شکست کھا جائے، یہ ایک زندہ حقیقت ہے۔

فلسطین میں بھی استکباری طاقتوں نے منہ کی کھائی ہے، کون یہ بات باور کرسکتا تھا کہ ایک جہادی تنظیم جو صیہونی حکومت سے برسرپیکار ہے اور اس کی مخالفت ودشمنی کا نعرہ لگاتی ہے، فلسطین میں برسر اقتدار آجائے گی؟! یہ کون یقین کرسکتا تھا کہ دنیا میں ایک بڑی فوجی طاقت کا لبنان پر کیا جانے والا حملہ ایک چھوٹے سے باایمان گروہ کے ہاتھوں صرف ایام میں شدید ترین ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوگا؟!

کون اس بات پر یقین کرسکتا تھا کہ امریکہ عراق میں اپنی تمام تر محنت وجدوجہد اور وہاں موجود اپنی بڑی فوجی طاقت کے باوجود اپنے مقاصد کو حاصل نہیں کرسکے گا؟ یہ بات کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ امریکا مشرق وسطی کی عرب دنیا پر قبضے اور اس خطے کی حکومتوں اور قوموں کے مقابلے کے لئے عراق پر قبضہ نہ جم سکے گا؟ لیکن یہ سب ہوکر رہا۔ اس جنگ میں شکست خوردہ وہ ہے جو حسب ظاہر اپنی فوجی طاقت، ظاہری اقتدار، ڈالر اور مضبوط اقتصاد وسیاست کی طاقت سے مالامال ہے اور یہ بذات خود ایک حقیقت ہے۔

اسلامی تشخص پر استکباری حملوں میں فاتح 'اسلامی تشخص ہی ہے۔ ان تمام حقائق کو مدنظر رکھنا چاہیے، یہ جو کہتے کہ حقائق کو سمجھئے اور واقعیت کو دیکھئے تو حقیقت وواقعیت یہی ہے یعنی وہ حقائق وواقعیت جسے اپنی تحلیلوں میں دیکھنا اور فیصلوں کے وقت جن پر توجہ کرنی چاہیے۔ یہ ناقابل انکار حقیقتیں ہیں جنہیں ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ دنیائے اسلام اگر چاہتی ہے کہ اپنی کامیابی کے لئے ایک جاندار تحریک چلائے تو اسے، بہت سی چیزوں کو لازمی طور پر قبول کرنا ہوگا کہ جس میں پہلا لازمی عنصر اتحاد بین المسلمین اور یکجہتی ہے۔

مسلمانوں کو آپس میں لڑانا ایک استکباری سازش ہے۔ بھائیوں کو باہم دست وگریباں کرنا، استکبار کی پہلی سازش ہے جو وہ قدیم زمانے سے استعمال کرتا رہا ہے۔ اسی طرح تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو بھی اُس کی ایک قدیم سیاست ہے۔ ہم سب نے کہا ہے اور ہم سب جانتے ہیں لیکن پھر بھی افسوس ہے کہ ایسے مواقع آتے ہیں کہ دشمن ہم پر اسی سازش سے حملہ کرتا ہے اور وہ بھی صرف خواہشات نفسانی کی پیروی، غلط تجزیہ وتحلیلوں، تنگ نظری، انفرادی منافع کو اجتماعی منافع پر ترجیح دینے یا چھوٹی مدت کے فائدوں کی خاطر بڑی مدت کے منافع کو قربان کرنے سے!

آج آپ ایک نگاہ ڈالیے کہ استکبار کی ایک سیاست خود فلسطینیوں کو فلسطینیوں سے لڑانا، ان کے درمیان داخلی جنگ کو ایجاد کرنا اور اُن میں پھوٹ ڈالنا، شیعہ مسلمانوں کو سنی مسلمانوں سے لڑانا اور عربی وعجمی کو ایک دوسرے کے مدمقابل لانا ہے۔ لہٰذا پہلے مرحلے پر اس کا علاج کرنا چاہیے۔ ہم اپنی جگہ اتحاد بین المسلمین کو امت مسلمہ کی ایک بنیادی ضرورت سمجھتے ہیں اور ہم نے اس سال کو قومی یکجہتی اور اتحاد بین المسلمین کا سال قرار دیا ہے اتحاد بین المسلمین تمام اسلامی دنیا کے لئے اشد ضروری ہے اور سب کو اتحاد سے کام لینا اور ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے، حکومتیں بھی اور عوام بھی۔ اسلامی حکومتیں اس وسیع پیمانے پر اتحاد بین المسلمین کے لئے مسلمان اقوام کی استعداد وصلاحیت سے بہترین فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

اتحاد بین المسلمین کے موانع

بہت سی چیزیں اس اتحاد میں مانع اور رکاوٹ ہیں، ان میں سے سب سے سرفہرست کج فہمی اور حقائق سے بے اطلاع ہونا ہے۔ ہم ایک

دوسرے کے حال واحوال سے بے خبر ہیں، ایک دوسرے کی غلط فہمیوں کا شکار ہیں اور ایک دوسرے کے افکار وعقائد کو صحیح طور سے سمجھتے نہیں ہیں ۔شیعہ سنی کے بارے میں اور سنی شیعہ کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں، اسی طرح ایک مسلمان قوم دوسری قوم کے بارے میں اور ایک ہمسایہ دوسرے ہمسائے کے بارے میں سوءِ تفاہم کا شکار ہے اور دشمن اسی سوءِ تفاہم کو مسلسل پھیلا رہا ہے۔

بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بہت سے افراد اسی سوءِ تفاہم، غلط تجزیہ وتحلیل اور دشمن کے پورے منصوبے کو مدنظر نہ رکھنے کی وجہ سے اُس کے اس کھیل کا حصہ بن جاتے ہیں اور دشمن ایسے ہی افراد سے اچھی طرح فائدہ اٹھاتا ہے ۔کبھی ایک چھوٹا سا محرک سبب بنتا ہے کہ انسان کوئی بات کہے، موقف اختیار کرے یا کوئی ایسا کام انجام دے کہ دشمن اپنے منصوبے میں اس بات سے استفادہ کرتا ہے، اور بھائیوں میں فاصلہ زیادہ کر دیتا ہے۔

اتحاد بین المسلمین کے لئے ایک عالمی منشور کی ضرورت

اس مشکل کا ضروری اور اصلی وحقیقی علاج اتحاد بین المسلمین ہے ۔علماء اور اسلامی روشن فکروں کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے تا کہ وہ اتحاد بین المسلمین کا ایک منشور وضع کر سکیں تا کہ کج فہم، متعصب اور اِدھر اُدھر سے وابستہ کوئی شخص یا کوئی اسلامی فرقہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد یا فرقے کیلئے آزادانہ طور پر اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ نہ دے سکے اور ان کے بارے میں تکفیر کا فتویٰ صادر نہ کرے۔

اتحاد بین المسلمین کے منشور کا وضع کیا جانا اُن امور میں سے ہے کہ تاریخ جس کا مطالبہ آج علماء اور مسلمان دانشوروں سے کر رہی ہے ۔اگر آپ نے یہ کام انجام نہیں دیا تو آنے والی نسلیں آپ کا ضرور مواخذہ کریں گی ۔آپ دشمن کی دشمنی کو اچھی طرح دیکھ رہے ہیں! آپ اسلامی تشخص کو نابود کرنے اور امت مسلمہ میں تفرقہ ڈالنے کے لئے دشمن کی چالوں کو دیکھ رہے ہیں، آئیے مل کر بیٹھئے، اس کا علاج کیجئے اور اصول کو فروع پر ترجیح دیجئے۔

علماء اور مسلمان دانشوروں کی ذمہ داری

فروعات میں ممکن ہے کہ کہ ایک ہی مذہب کے افراد ایک نظر کے قائل نہ ہوں تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود بہت سے مشترکات وجود رکھتے ہیں لہذا انہیں چاہیے کہ انہی مشترکات کو اپنے اتحاد کا مرکز قرار دیں ۔علمائے اسلام کو چاہیے کہ وہ دشمن کی چالوں سے ہوشیار رہیں ۔ ہر مذہب کے خاص خاص افراد بیٹھیں اور علمی ماحول میں مذہبی بحثیں کریں لیکن عوام کو ان علمی بحثوں میں شامل نہ کریں ، دلوں کو ایک دوسرے کی نسبت کدورت والا نہ بنائیں اور مختلف اسلامی فرقوں ،مسلمان اقوام اور ایک ہی قوم کے اسلامی گروہوں اور جماعتوں کو ایک دوسرے کا دشمن نہ بنائیں۔

استکبار، اسلام کا دشمن

جو چیز استکبار کے لئے اہمیت کا سبب ہے وہ اسلام ہے۔ دشمن چاہتا ہے کہ اسلام کو نابود کر دے اور ہمیں اس بات کو سمجھنا چاہیے۔

وہ لوگ شیعہ وسنی میں کسی قسم کا فرق نہیں رکھتے، ہر وہ قوم ہر وہ گروہ وجماعت اور ہر وہ فرد جو اسلام سے زیادہ متمسک ہے، دشمن اسی سے زیادہ خطرے کا احساس کرتا ہے اور صحیح ڈرتا ہے ۔حقیقت تو یہی ہے کہ اسلام، استکبار کے تسلط وبرتری جوئی کے اہداف ومقاصد کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہے ۔اسلام غیر مسلم اقوام کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے جبکہ دشمن اس کے برعکس پروپیگنڈا کر رہا ہے۔

اسلام کے خلاف پروپیگنڈا

دشمن ہنر، پروپیگنڈے، سیاست، میڈیا، اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلسل پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ اسلام دوسری (غیر مسلم) اقوام کا دشمن ہے! اور وہ دوسرے ادیان ومذاہب کو نابود کرنا چاہتا ہے! جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے ۔اسلام وہی دین ہے کہ جب وہ غیر مسلمان علاقوں پر حاکم ہوا تو اس مذہب کے پیروکاروں نے اسلام کی رحمت کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ ہم پر ہمارے گزشتہ حکام سے بھی زیادہ مہربان ہیں ۔شامات کے اسی خطے میں جب اسلامی فاتحوں نے قدم رکھا تو اس علاقے کو یہودیوں عیسائیوں نے کہا کہ آپ مسلمان ہم پر بہت مہربان ہیں ۔اسلام رحمت ورأفت کا مذہب ہے اور تمام عالمین کے لئے رحمت وبرکت ہے۔

اسلام عیسائیت سے کہتا ہے کہ تعالَوا الیٰ کلمۃٍ سَوَاءٍ بیننا وبینکم یعنی اپنے اور ان کے درمیان مشترکات کو قرار دیتا ہے ۔اسلام دوسری غیر مسلم اقوام وادیان کا مخالف نہیں بلکہ ظلم وستم، استکبار اور اس کے تسلط وقبضے کا مخالف ہے

جبکہ ظالم و استکباری طاقتیں اس حقیقت کو الٹا بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر رہی ہیں۔ ہالی ووڈ کی فلمی دنیا سے لیکر میڈیا اور پروپیگنڈے سمیت اسلحے اور فوجی طاقت کے تمام امکانات ووسائل سے دشمن استفادہ کرتے ہوئے اس حقیقت کے برعکس پروپیگنڈا کر رہا ہے۔

استکبار کی نظروں میں شیعہ سنی سب برابر

اسلام اور اسلامی بیداری خطرہ ہے لیکن عالم استکبار کے لیے اور وہ اس خطرے کو جہاں بھی محسوس کرتے ہیں اُسے اپنا ہدف بناتے ہیں خواہ وہ خطرہ شیعہ سے ہو یا سنی سے۔ استکبار فلسطین میں حماس کو اسی نگاہ وزاویے سے دیکھتا ہے کہ جیسے وہ لبنان میں حزب اللہ کو دیکھتا اور اس کے خلاف عمل کرتا ہے، وہ سنی ہے اور یہ شیعہ ہے (لیکن دونوں دشمن کے نشانے پر ہیں)۔ دیندار اور اسلام پر کاربند مسلمان دنیا کے جس حصے میں بھی ہوں، استکبار کی نظروں میں برابر ہیں، خواہ وہ سنی ہوں یا شیعہ! آیا ہمارا ایک دوسرے کو گروہی اور فرقہ وارانہ نگاہوں سے دیکھنا ایک عاقلانہ فعل ہے؟ کیا ہم باہم دست وگریبان ہو جائیں؟ ایک دوسرے سے گلا مند ہوں، شکایت کریں اور اپنے اس مشترکہ دشمن کو بھول جائیں کہ جو ہمیں ختم کرنا چاہتا ہے؟ کیا اس طرح اپنی توانائیوں کو ضایع کرنا صحیح ہے ؟

خدائی وعدوں پر یقین

دنیائے اسلام کو چاہیے کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی عزت وسربلندی، استقلال وخودمختاری اور علمی پیشرفت کے حصول اور معنوی قدرت کو پانے کے لئے کوشش کرے یعنی دین کا دامن تھام لے، خدا پر توکل اور نصرت الہی پر یقین کے لئے کوشش کرے۔

عدا تک لعبادک منجز، یہ خدا کا وعدہ اپنے بندوں کے لئے حتمی اور یقینی ہے اور پورا ہو کر رہے گا۔ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے کہ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وہ بھی خدا کی مدد کرے گا تو خداوند عالم اس کی حتمی اور یقینی مدد کرے گا۔ لہٰذا دنیائے اسلام کو چاہیے کہ اس وعدے پر یقین کامل رکھتے ہوئے وارد میدان ہو۔ یہ عمل صرف اسلحے کو ہاتھ میں اٹھانا نہیں ہے بلکہ فکری، عقلی، اور عملی ہے اور یہ ایک اجتماعی اور سیاسی عمل ہے کہ سب خدا اور اتحاد بین المسلمین کے لئے قدم اٹھائیں۔ اس عمل سے مسلمان اقوام بھی مستفید ہوں اور اسلامی حکومتیں بھی۔

اگر اسلامی حکومتیں، امت مسلمہ کے بحر بیکراں میں شامل ہو جائیں تو ان کی قدرت وطاقت میں اضافہ ہو جائے گا نہ کہ امریکی سفیر یا فلاں امریکی سیاستدان پر بھروسہ کرنے سے۔ یہ تمام چیزیں انہیں قدرت نہیں دے سکتیں۔ لیکن اگر یہی اسلامی حکومتیں، امت مسلمہ کے ساتھ مل جائیں اور ایک دوسرے کے نزدیک وقریب آجائیں تو ایسے موقع پر وہ استکبار کیلئے یہ موقع نہیں آنے دیں گی کہ وہ ایک اسلامی حکومت کو اپنا ہدف بناتے ہوئے اسے نابود کر کے ایک دوسری اسلامی حکومت کی تلاش میں نکل پڑے! اس مسئلے کی طرف سب کو توجہ کرنی چاہیے اور اسلامی حکومتوں کو متحد ہونا چاہیے اور وہ یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ وہ متحد ہو سکتی ہیں۔

ہم نے اس تجربے کا نتیجہ امت مسلمہ کے سامنے رکھا ہے۔ ایرانی عوام نے استقامت، خدا کی ذات پر یقین وتوکل اور اپنی طاقت وصلاحیت پر اعتماد کا تجربہ دنیائے اسلام کے سامنے رکھا ہے۔ انقلاب کی کامیابی کو ۲۸ سال گزر رہے ہیں، ان ۲۸ سالوں میں کوئی ایسا دن نہیں گزرا کہ جس میں استکبار نے ہماری قوم کے خلاف سازش نہ کی ہو اور کوئی ایسا دن بھی نہیں آیا کہ ہم نے گزرے ہوئے کل کی نسبت آگے قدم نہ بڑھایا ہو اور ترقی اور پیش رفت نہ کی ہو۔

ہم خداوند عالم کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہیں کہ بارالہا! اپنی رحمت، عنایت اور مدد کو امت مسلمہ میں شامل فرما۔ ہم اس عید میلاد النبیؐ کو پوری دنیائے اسلام خصوصا آپ حاضرین کی خدمت میں تبریک وتہنیت پیش کرتے ہیں اور امام خمینی کی روح مطہر پر درود بھیجتے ہیں کہ جنہوں نے ہمارے لئے یہ راستہ کھولا ہے۔ ساتھ ہی شہداء کے درجات کی بلندی کے لئے دعا گو ہیں کہ جنہوں نے اس راہ میں حرکت کی۔ ہمیں امید ہے کہ حضرت بقیۃ اللہ الاعظم ارواحنالہ الفداء کی دعاؤں کا سایہ تمام مسلمان اقوام کے سر پر قائم ودائم رہے گا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بصد شکریہ 'مرکز حفظ ونشر آثار ولایت

www.wilayat.com......

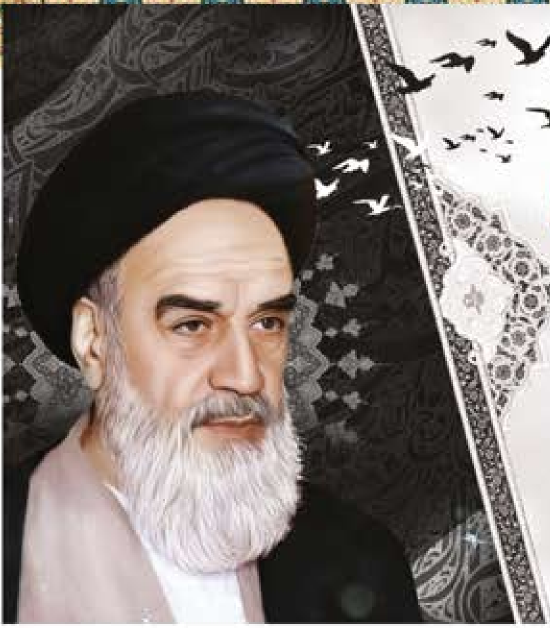

امام خمینی اور کربلا کے سیاسی رخ کا احیاء

مقالہ نگار: حسین شیدائیان
مترجم: سید احمد اقبال رضوی

تاریخ انسانیت میں واقعہ کربلا کے منفرد اور نمایاں ہونے کا راز یہ ہے کہ تحریک کربلا کی بنیادیں الٰہی خطوط پر استوار ہیں۔ عاشورہ کے بعد اس واقعہ کو مختلف انداز سے دیکھا، لکھا اور پرکھا گیا۔ اور مختلف پہلوؤں کے ذریعہ اس واقعہ کی عظمت کو بیان کیا گیا۔ آج بھی جب کسی بھی پہلو سے تحریک کربلا کو دیکھا جاتا ہے تو بہت سے نکات ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی بھی تحریکِ کربلا پر بہت زیادہ تحقیق او باریک بینی کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مقالے کے عنوان کو دیکھ کر مندرجہ ذیل سوالات فوراً ذہن میں ابھرتے ہیں۔

۱: امام خمینی کی عاشورہ کے بارے میں سیاسی نظر کیا تھی اور انہوں نے کس طرح اس کا احیاء کیا؟

۲: امام خمینی نے اس سیاسی نظریے سے استفادہ کرتے ہوئے کس طرح شیعوں کو منظم کیا؟ اور کس طرح اسلامی نظام تشکیل دیا؟

۳: شیعوں کا یہ نظام کس شکل میں نمودار ہوا؟

آیئے اب ان سوالات کے جوابات کی طرف چلتے ہیں:

شیعہ تاریخ میں غیبت کبریٰ کے بعد بہت سے مجاہد اور متعہد علماء نے دین اسلام کے احیاء کے لئے قیام کیا جن میں سے امام خمینی ہی نمایاں طور پر کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ امام نے استکبار جہانی، امریکہ کی پہلوی حکومت کی حمایت اور ایرانی عوام پر تھوپنے کی سیاست مطالعہ کیا۔

حضرت امام خمینی نے تحریک کربلا کا دقت سے مطالعہ کر کے واقعہ کربلا کے دو اہم محرکات امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور وظیفہ شرعی کو منظر عام پر لا کر ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا تختہ اُلٹ دیا۔ حضرت امام خمینی انقلاب اسلامی برپا کرنے میں اس لئے کامیاب ہوگئے چونکہ آپ نے دین کے چہرے کو تحریفات و بدعات سے پاک کرنے کا عزم کر رکھا تھا اور آپ دین کے سیاسی احکام کے احیاء کرنے کو اپنا شرعی وظیفہ سمجھتے تھے۔

سیاست کیا ہے؟

سیاست اور اسکی تعریف میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ بعض مغربی مفکرین نے سیاست کو "علم قدرت" اور اسے ایسے علم سے تعبیر کیا ہے جس میں لوگوں کو اپنی طاقت اور سلطنت کے ماتحت لانا یا انہیں اپنا مطیع و فرمانبردار بنانا ہوتا ہے ایک اور تعریف کے مطابق سیاست اجتماعی نظم وضبط دینے کا (۱) نام ہے۔

اسلامی مفکرین نے بھی سیاست کی مختلف انداز سے تعریف کی ہے: فارابی کے نزدیک حاکم اور محکوم طبقے کے درمیان رابطے اور حکومتی

خدمات کا نام سیاست ہے(۲) ابن خلدون کے نزدیک سیاست، حکومت کے اقتدار کا نام ہے(۳) جبکہ امام خمینی سیاست کی تعریف میں فرماتے ہیں:

سیاست یہ ہے کہ معاشرے کی راہنمائی اور راہبری کی جائے، معاشرے کے تمام مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے انسان اور معاشرے کی تمام جہتوں اور پہلوؤں کو نظر میں رکھتے ہوئے اس چیز کی طرف راہنمائی کی جائے جو ان کے مفادات میں ہو اور جو ملت اور افراد کے حق میں ہو۔ (٤)

دین وسیاست:

امام خمینی اسی مطلب کو آگے بڑھاتے ہوئے اس سیاست کے صحیح طور پر اجراء کرنے والے افراد کا تعارف یوں کرواتے ہیں:

''یہ (سیاست) انبیاء سے مخصوص ہے، دوسرے افراد اس سیاست کا اجراء نہیں کر سکتے، یہ انبیاء اور اولیاء سے مختص ہے اور ان کے بعد بیدار علمائے اسلام سے۔۔۔(٥)

ایک اور اہم نکتہ دین وسیاست کا تعلق ہے، جو کچھ آج سیاسی اور اجتماعی محافل کی اہم ابحاث میں سے ہے۔ بعض لوگ دین کی سیاست سے جدائی کے قائل ہیں ان میں سر فہرست سیکولر نظریہ رکھنے والے لوگ ہیں۔ امام خمینی دین میں سیاست کی آمیختگی اور ایک دوسرے میں ضم ہونے کے قائل ہیں نہ کہ ایک دوسرے کے درمیان رابطے کے۔ آیا دین میں سیاست جائز ہے یا نہیں؟ امام اُس بارے میں فرماتے ہیں کہ دین اسلام ایک سطحی قسم کا محض روحانی دین نہیں ہے چونکہ بندے اور خداوند تبارک وتعالیٰ کا وظیفہ اور ذمہ داری فقط روحانی نہیں ہے اور اسی طرح مذہب اور دین فقط سیاسی نہیں ہے بلکہ عبادی بھی ہے اور سیاسی بھی، اس کی سیاست دین میں مدغم ہے اور اس کی عبادت سیاست میں مدغم ہے یعنی وہی عبادی پہلو ہی سیاسی پہلو کا حامل ہے۔''(٦)

امام تحریر الوسیلہ میں نماز جمعہ کے خطبے کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسلام دین سیاست ہے، سیاست کے تمام شعبہ جات اور امور کو اپنے احاطے میں لیئے ہوئے ہے۔ اور جو شخص بھی اسلامی احکام میں تھوڑی سی دقت اور توجہ کرے اُس پر یہ مطلب روشن اور واضح ہوجاتا ہے لہٰذا جو شخص بھی یہ گمان کرتا ہے کہ دین اسلام، سیاست سے جدا ہے وہ معارف اسلام سے بھی جاہل ہے اور سیاستِ اسلام سے بھی نابلد ہے۔''(٧)

امام کی نگاہ میں ''دین''، اسلام کے سیاسی نظام کی بنیاد ہے اور دین کے احکام سیاسی مسائل وقوانین پر مبنی ہیں۔ اس سلسلے میں امام خمینی فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے سیاست کی بنیاد کو دین پر استوار کیا'' (٨)

مندرجہ بالا گفتگو سے یہ بات روشن ہوگئی کہ امام خمینی کی سیاسی فکر یہ تھی کہ دینی احکام سیاسی رنگ کے حامل ہیں۔ امام نے تحریک کربلا کی سیاسی روح کا بھی احیاء کیا جو تاریخ میں بہت کم رنگ ہو چکی تھی انقلاب اسلامی ایران سے پہلے تحریک کربلا کے بارے میں زیادہ تر عزاداری امام حسین برپا کرنے کے اجر وثواب کے بارے میں بحث ہوتی تھی جبکہ قیام امام حسینؑ کے سیاسی فلسفے پر کم بحث ہوا کرتی تھی۔(٩)

بعض دیگر حکومتی خطیب زیادہ تر اختلافی مسائل کو اٹھایا کرتے تھے اور مذاہب کے درمیان اختلافات کو ہوا دیتے تھے اس صورتحال کو دیکھ کر دیندار نوجوان ان خطیبوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور (١٠) نتیجتاً عزاداری سید الشہداء جو بہترین ذریعہ ہے فلسفہ قیام امام حسینؑ بیان کرنے کا وہ اختلافات کا باعث بن جاتی تھی۔

امام خمینی کی نگاہ کربلا کے عظیم واقعہ کے بارے میں یہ نہ تھی کہ یہ ایک اچانک سے پیش آنے والا تاریخی سانحہ ہے بلکہ وہ قیام امام حسینؑ کے بارے میں وسیع اور عمیق نظریئے کے قائل تھے اور وہ یہ تھا کہ امام کی یہ تحریک ایک خاص ہدف اور پروگرام کے تحت تھی تاکہ دین اسلام کا دوبارہ احیاء کیا جاسکے۔

امام فرماتے ہیں: ''وہ (امام حسین) جانتے تھے کہ کیا کر رہے

ہیں، کہاں جارہے ہیں اور ان کا ہدف کیا ہے''(۱۱)

''امام حسینؑ نے اپنی بے مثال قربانی اور الٰہی تحریک کے ذریعہ سے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا جس نے ظالموں کے ایوانوں کو ڈھا کر مکتب اسلام کو ظالموں سے نجات عطا کی۔''(۱۲)

امام کربلائی ثقافت کو ایک عظیم سیاسی و دینی ورثہ اور انسان ساز مکتب سمجھتے تھے، انہوں نے تحریف اور بدعتوں کے غبار کو صاف کر کے کربلا کی صحیح اور انقلابی تفسیر کو پیش کیا۔

امام حسینؑ کی عزاداری میں گریہ کرنا اور آنسو بہانا، بعض مفکرین کی نگاہ میں ترس اور ہمدردی کی وجہ سے ہے اور بعض کی نگاہ میں نفسیاتی کمزوری کی وجہ سے۔۔۔امام نے حدیث ''تباکی''(۱۳) کی تفسیر میں گریہ کے سیاسی اثر کو بیان کیا اور شیعوں کے اس غم میں رونے کو ''سیاسی گریہ'' کا نام دیا(۱۴) اس بارے میں امام فرماتے ہیں:

''تباکی (یعنی رونے کی شکل بنانے) کا مسئلہ دراصل سیاسی مسئلہ ہے''(۱۵)

''مجلس عزاء فقط اس لئے نہیں ہے کہ آنسو بہائیں اور اجر حاصل کریں البتہ اور اہدافات میں سے یہ بھی ایک ہدف ہے لیکن سب سے اہم ہدف اس کا سیاسی پہلو اجاگر کرنا ہے جس کا منصوبہ صدر اسلام میں ہمارے آئمہ نے بنایا تھا تاکہ کربلا تا قیامت باقی رہے''(۱۶)

اسی طرح امام کل یوم عاشورا وکل ارض کربلا کی حدیث کو تاریخ تشیع میں کربلا کے تسلسل پر دلیل سمجھتے تھے اور اسے شیعوں کی زندگی کا عنوان قرار دیتے تھے یعنی حسینی جس دور میں بھی اور جس خطے میں بھی ہوں یزیدیوں کے خلاف قیام کریں۔امام انقلاب اسلامی ایران اور آٹھ سالہ دفاع مقدس کو اسی حدیث کا مصداق سمجھتے تھے اور اسے حسینیت کا تسلسل اور انقلاب کے مخالفین اور دشمنوں کو یزیدیت کا تسلسل سمجھتے تھے۔

حق پرستوں کو منظم کرنے کا دائرہ کار:

امام خمینی نے تحریک عاشورہ کے سیاسی روپ کے احیاء کے لئے ظلم وستم کے خلاف قیام کیا اور اسلامی معاشرے کو منظم کیا۔امام راحل نے اپنی تحریک، امام حسینؑ کے قیام کی پیروی میں شروع کی، تاریخی تجربات سے استفادہ کیا اور پوری تاریخ میں اسلامی تحریکوں اور انقلابی کوششوں کے نقاطِ قوت وضعف مخصوصاً آخری زمانے کے مسلمان علماء کے قیام کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی تحریک، اس کے اہداف اور انقلاب اسلامی کے مستقبل کی بنیاد رکھی۔

امام خمینی کی عملی سیرت انقلاب سے پہلے اور اس کے بعد، اس حقیقت کو آشکار کرتی ہے کہ امام نے اپنی تحریک کی بنیاد انسان ساز اور عزت بخش ثقافت یعنی کربلا پر استوار کی اور اسی بنیاد پر مسلمانوں کو منظم کیا، اس سلسلے میں درج ذیل چند اہم امور ملاحظہ فرمائیں۔

شاگردوں کی تربیت:

امام خمینی کے ہاں جو طلبہ بھی زانوئے ادب طے کرتے وہ حقیقی طالب علم بن کر نکلتے، ان کے دروس فقط خشک علمی مطالب نہ ہوتے تھے بلکہ وہ ایسے طلبہ کی تربیت کرتے تھے جو مستقبل میں اسلام کے لئے مفید ہوں(۱۸) اور جب فقہ کا درس خارج دیا کرتے تھے تو اسی وقت انقلاب اسلامی کیلئے راہیں بھی ہموار کر رہے ہوتے تھے اور تدریس کے ہر سال نئے طلاب آتے اور اس طرح امام کے دروس سے انقلابی افکار رکھنے والے روحانی طلبہ کی کھیپ امام کی تحریک کیلئے آمادہ ہوتی رہی۔(۱۹)

۲۔ولایت فقیہ اور حکومت اسلامی کا درس:

جس دور میں حوزات علمیہ اور علماء کے درمیان حکومتِ اسلامی کے بارے میں کسی قسم کی مدلل اور جامع بحث نہ ہوتی تھی یا اگر ہوتی بھی تھی تو مغربی ممالک کی نام نہاد ڈیموکریٹک حکومت کے معیارات کے مطابق ہوتی تھی۔اس وقت امام خمینی نے ۱۳۴۸ شمسی یا ۱۹۶۹ء میں جلاوطنی کے دوران مدلل اور منظم انداز سے حکومتِ اسلامی اور ولایت فقیہ کی بحث شروع کی اور عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ سے حکومتِ اسلامی کی مشروعیت، لزوم اور اس کے مستحکم اور عادلانہ نظام کو علمی حلقوں کے درمیان پیش کیا(۲۰) اور علماء سے درخواست کی کہ حقیقی اسلام اور اسلامی حکومت کے تعارف کیلئے کربلائی تحریک کا آغاز کریں(۲۱) خود امام راحل نے

حکومت اسلامی دین کی حاکمیت اور اسلامی قوانین کے اجراء کے نظریے کی ترویج بھرپور انداز سے شروع کی اور وہ اس بات کے قائل تھے کہ جب تک اسلام کے پاس حکومت نہ ہو تو اسے بدعتوں اور تحریفوں سے محفوظ نہیں رکھا جاسکتا اور امام کے یہ اقدامات اس بات کی علامت تھے کہ امام مسلمانوں کو مستقبل میں ایک بڑے انقلاب کیلئے آمادہ اور منظم کر رہے تھے اور ایک جامع منصوبے کے تحت آگے بڑھ رہے تھے۔

اپنی انقلابی اور کربلائی تحریک کے دوران امام راحل نے قم کے ایک مرجع اور فقیہ کو خط لکھا کہ وہ شاہ کی مخالفت کریں لیکن امام کو جواب دیا گیا کہ: ''پتہ نہیں شاہ کے سقوط کے بعد ملک میں کیا ہوگا؟'' امام نے جواب دیا: ''میں اسکے بارے میں سوچ چکا ہوں'' (۲۲) (یعنی شاہ کے سقوط کے بعد میں اسلامی حکومت قائم کروں گا)

امام راحل کی سیاسی نگاہ میں اسلامی حکومت، سیاست کے تمام مفاہیم پر پوری اترتی ہے (۲۳) اور وہ اس بات کے قائل تھے کہ امام حسینؑ نے دیگر اہداف کے ساتھ اسلامی حکومت کے حصول کیلئے بھی قیام کیا تھا۔ اس سلسلے میں امام راحل فرماتے ہیں:

''امام حسینؑ آئے تھے اور چاہتے تھے کہ حکومت کی زمام بھی اپنے ہاتھ میں لیں اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت سید الشہداء حکومت کیلئے بالکل نہیں آئے تھے (ان کی یہ سوچ غلط ہے) بلکہ امام حسینؑ حکومت کیلئے بھی آئے تھے'' (۲۴)

حضرت مسلم کو کوفہ بھیجنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

''انہوں نے (امام حسینؑ نے) حضرت مسلم کو (کوفہ) بھیجا تاکہ لوگوں سے بیعت لیں اور اسلامی حکومت تشکیل دیں'' (۲۵)

اسلامی حکومت کے پرتو میں جو چیز قدر مسلم ہے وہ معاشرے میں عدل و انصاف اور اسلام کے شرعی احکام کا نفاذ ہے۔

۳۔ اسلامی تہواروں سے لوگوں کی ہدایت اور فعالیت کیلئے فائدہ اٹھانا:

امام خمینیؒ کی سیاسی روش شاہی حکومت کے سقوط اور اسلامی حکومت کی تشکیل کے سلسلے میں یہ نہ تھی کہ وہ کوئی سیاسی پارٹی یا حزب بنا کر فعالیت انجام دیں، بلکہ انہوں نے انبیائے عظام کی سیرت کی روشنی میں اپنی تحریک کی بنیاد لوگوں میں شعور اور آگاہی دینے پر رکھی اور ایران کے کروڑوں مسلمانوں کو انقلابی اور کربلائی افکار سے آشنا کرنا شروع کیا اور اس سلسلے میں اسلامی اور مذہبی تہواروں سے، جن کی امام نے مکمل شناخت اور ان کی لوگوں پر عمیق اثرات کو درک کیا تھا مخصوصاً عزاداری سید الشہداء سے بھرپور سیاسی استفادہ کیا۔

امام راحل نے مکتب کربلا سے تعلق رکھنے والے افراد کی فراموش شدہ توانائی اور طاقت سے صحیح استفادہ کرنے کیلئے عزاداری امام حسینؑ کے ذریعہ سے لوگوں کی رہنمائی فرمائی۔ بعض علماء جو مسلم عوام کی سیاسی طاقت سے غافل تھے، امام خمینی سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس کوئی بم نہیں ہے جو ہم شاہ کے خلاف استعمال کریں، اُن کو امام جواب دیا کرتے تھے ''ہمارے پاس ایسی طاقت ہے جو بم سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔'' (۲۶)

امام ہمیشہ کربلا کے سیاسی رخ سے استفادہ کرتے ہوئے لوگوں کے دینی معارف میں سیاسی طور پر ان کی رہنمائی کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ: آپ یہ نہ سمجھیں کہ مجالس عزاء کا یہ اجتماع صرف اس لئے ہے کہ ہم فقط سید الشہداء پر آنسو بہائیں، نہیں سید الشہداء کو ان آنسوؤں کی احتیاج نہیں ہے۔ ان مجالس کا سیاسی پہلو دیگر تمام پہلوؤں سے بالاتر ہے۔ (۲۷

خطیبوں اور ذاکروں سے فرمایا کرتے تھے:

''اہل منبر (ایدھم اللہ تعالیٰ) کوشش کریں کہ لوگوں کی مسائل اسلام اور (مخصوصاً) اسلام کے سیاسی مسائل کی طرف رہنمائی کریں'' (۲۸)

امام راحل امت کی وحدت کے شدت سے قائل تھے اور اس حدیث پر زور دیتے ہوئے کہ ''ید اللہ مع الجماعۃ'' (۲۹) فرمایا کرتے تھے کہ اتحاد الٰہی مدد اور عنایات کے نزول اور ملت کی اجتماعی و سیاسی مشکلات کے حل کا سبب ہے۔

وحدت کے محوروں میں سے ایک اہم ترین محور ایام عزاء و عزاداری سیدالشہداء ہے امام اس بارے میں فرماتے ہیں:

"...[مکتب اسلام] میں ایسے ایام موجود ہیں جو (امت میں) وحدت کے استحکام کا باعث بنتے ہیں جیسے روزِ عاشوراء اور چہلم سید الشہداء (۳۰)۔

امام راحل ایام عزاء اور مجالس کو شیعوں کی وحدت اور ظلم کے خلاف جہاد کا وسیلہ بنا کر تمام گروہوں اور پارٹیوں کو اسی پرچم تلے متحد کیا اور ایک جگہ پر فرمایا کہ:

"یہ اتحاد جو ہماری کامیابی کا باعث بنا، مجالس عزائی، عزاداری اور ان مجالس کی وجہ سے تھا جن میں اسلام کی تبلیغ اور ترویج کی جاتی تھی" (۳۱)

٤۔ آئمہ کو اُسوہ کے طور پر پیش کرنا:

امام خمینی کی کھلم کھلا سیاسی روش ان کی رہبریت کے آغاز سے حیات طیبہ کے اختتام تک یہی رہی کہ وہ حکومتی مسئولین اور ایرانی عوام کو آئمہ معصومین مخصوصاً امام حسینؑ کی سیرت کو اسوہ اور آئیڈیل کے عنوان سے پیش کیا کرتے تھے۔ البتہ اسوہ سازی کی اس مہم کے دو اہم اہداف تھے: ایک، اپنی اسلامی اور سیاسی تحریک کو مشروع اور جائز قرار دینا جو وقت کے ظالم اور فاسق حاکم کے خلاف اور عوام کے حق میں عادلانہ تھی جو انقلاب کے مخالف تھے یا کج فہمی کی وجہ سے دین وسیاست کی جدائی کے قائل ہونے کی وجہ سے امام کی مخالفت کرتے تھے۔ دوسرا ہدف شیعوں میں دینی ومعنوی جذبات کا احیاء کرنا تھا تا کہ حقیقی معنوں میں شیعہ بن سکیں اور زبان ودل کے ساتھ ساتھ عمل کے میدان میں بھی صف اول کے مجاہد نظر آئیں۔ امام کی نگاہ میں "تشیع" ہی اصلی اسلام ہے جس کی بنیاد ظلم کے خلاف قیام پر ہے۔

اب ہم چند اہم نمونہ بیان کرتے ہیں جن میں امام راحل نے آئمہ مخصوصاً امام حسینؑ کو اسوہ اور آئیڈیل کے طور پر پیش کیا۔

(الف) ظلم کے خلاف قیام:

امام حسینؑ کی پیروی میں ظالم پہلوی حکومت کے خلاف قیام کے بارے میں امام حسینؑ کی حدیث "مَن رأى سلطاناً جائراً مستحلاً لحرام الله (۳۲)" سے استفادہ کرتے ہوئے امام خمینی ایرانی ملت سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"[امام حسین] صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی دیکھ رہا ہو ایسے ظالم حکمران کو جو لوگوں پر ظلم کرتا ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہو اور اسے ظلم کرنے سے روکے" (۳۳)

امام راحل اس خطاب میں پہلوی حکومت کو ظالم حاکم کے عنوان سے متعارف کرواتے ہیں اور لوگوں کو اس کے خلاف قیام کی دعوت دیتے ہیں۔

(ب) ظلم اور ظالم سے سمجھوتہ نہ کرنا:

امام نے، حسینی شِعار "هيهات مِنّا الذِلّة" (۳٤) کو مدنظر رکھتے ہوئے ظلم اور ظالم سے کبھی سمجھوتہ نہ کیا اور ہمیشہ ایرانی ملت کو بھی تاکید کیا کرتے تھے کہ امام حسینؑ کی پیروی میں کبھی ظالموں سے سمجھوتہ نہ کریں کہ "انّی لا أرىٰ الموت إلا سعادة ولا الحياة مع الظالمين الا برما" (۳۵)

امام ایرانی عوام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمیں اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیئے اور جو لوگ ہم پر ظلم وستم کرنا چاہتے ہیں ہمیں اُن کا مقابلہ کرنا چاہیئے اور ذلت آمیز زندگی اور ظلم سہ کر جینے سے بہتر ہے کہ ہم مر جائیں" (۳٦)

(ج) مشکلات پر صبر کرنا:

امام خمینی مصائب کربلا پر اہل بیت کے صبر وتحمل کے اسوہ کے طور پر ایرانی عوام کے سامنے پیش کرتے ہوئے ۱۹٦۳ء (۱۳٤۲ ش) میں فرمایا کہ آپ لوگ ان آئمہ کے پیروکار ہیں جنہوں نے مشکلات اور مصائب کے موقع پر صبر اور استقامت سے کام لیا۔ آج جو کچھ ہمارے

ساتھ ظلم وستم ہو رہا ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے، ہمارے آئمہ کرام نے عاشوراء اور گیارہ محرم کی رات کے مصائب پر صبر کیا اور دین کی راہ میں اس طرح کے عظیم مصائب کو تحمل کیا۔'' (۳۷)

(د) ایثار اور قربانی کیلئے آمادگی:

اما راحل کا امام حسینؑ کی قربانیوں کو انقلاب اسلامی اور آٹھ سالہ دفاع مقدس کے درمیان ربط دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اگر چہ سید الشہداء کی شہادت بہت بڑا نقصان تھا لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ اور کہاں جا رہے ہیں؟ انکا ہدف کیا ہے؟ اس کے باوجود قربانی دی اور شہید ہو گئے، ہمیں بھی چاہیئے کہ ان کی قربانیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے دیکھیں کہ سید الشہداء نے کیا کیا، کس ظلم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور

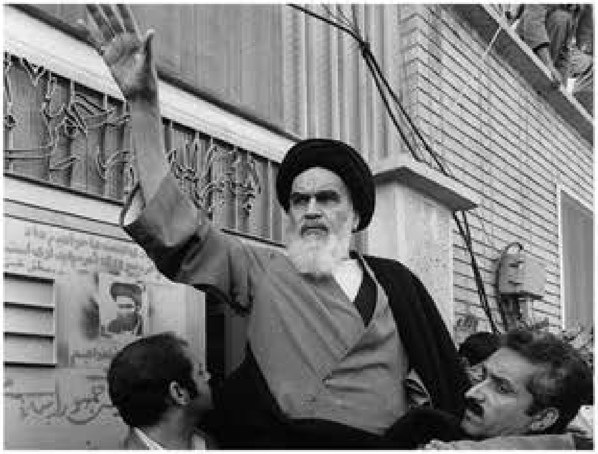

اسکے مقابلے میں ہم کیا کر رہے ہیں'' (۳۸)

'' (محرم) ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ جس طرح آپ کے مولا حسین ابن علی نے قربانی دی اور اسلام کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دیا، آپ بھی جوان کے شیعہ ہیں، ان کے چاہنے والے ہیں، آپ کو انہی کی اقتداء کرنی چاہیئے اور جو کچھ آپ کے پاس ہے اسے قربان کرنا چاہیے''۔ (۳۹)

عاشوراء اور کربلا خالص محمدی اسلام کے شاہکار ہیں چاہے سیاسی میدان ہو یا اجتماعی یا ثقافتی۔ اسی وجہ سے امام خمینی انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کا سہرا قیام امام حسینؑ کو پہناتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر حضرت سید الشہداء کا قیام نہ ہوتا تو ہم بھی آج کامیاب نہ ہوتے۔'' (٤١)

امام راحل کربلا سے درس لیتے ہوئے فتح اور کامیابی کی علت، معنوی امور کو قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

مطمئن قلب، خدائے تبارک وتعالی کی طرف توجہ، شہادت سے عشق اور لقاء اللہ سے عشق یہ چیزیں ہیں جو فتح کا باعث بنتی ہیں، تلوار سے فتح حاصل نہیں ہوتی، فتح خون کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ (٤٣)

انقلاب اسلامی ایران گزشتہ تاریخ کی شیعہ تحریکوں کا تسلسل ہے کہ جن تحریکوں کا بنیادی مقصد اسلامی عدل اور حقیقی اسلامی نظام کی حاکمیت تھی، ان تحریکوں نے اس عظیم اور الہی مقصد کی خاطر بڑے نشیب و فراز دیکھے اور بہت عظیم قربانیاں اس راہ میں دیں۔ امام خمینی نے اس عظیم مقصد اور دیرینہ خواہش کو عملی کر دکھایا اور اپنے اسلامی انقلاب کی اساس کو حسینی تحریک کے نقوش پر قرار دیا، اس سلسلے میں امام فرماتے ہیں: ہماری قوم نے اپنے قیام کی ابتداء سے ہی دنیا کو یہ اعلان سنا دیا تھا کہ صرف جمہوری اسلامی، کامل استقلال، نہ شرقی اور نہ غربی۔ اور یہ بھی اعلان سنا دیا تھا کہ ہمیں نہ امریکہ کی حمایت حاصل ہے نہ روس کی، نہ کسی اور طاقت کی، ہم کسی بھی طاقت کے تابع نہیں ہیں، ہم ہیں اور خدائے تبارک وتعالی کی عنایات اور پرچم توحید ہے وہی پرچم توحید جو امام حسینؑ کا پرچم تھا۔'' (٤٣)

امام خمینی اپنے اس انقلاب کو انقلاب امام مہدیؑ کا مقدمہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ہم سب (امام مہدی کے) ظہور کا انتظار کر رہے ہیں اور ہمیں چاہیے کہ اس انتظار میں (اسلام کی) خدمت کریں، ''انتظار فرج'' اسلام کے اقتدار کا انتظار ہے اور ہمیں کوشش کرنا چاہیے کہ اسلام کا اقتدار دنیا میں نافذ ہو۔'' (٤٩)

امام خمینی (رہ) اور اسلامی انقلاب کی برکات

تحریر: ظہیر الحسن کربلائی

امام خمینی (رہ) پوری دنیا کے انسانوں کی دلی تڑپ کو بھانپ چکے تھے وہ یہ محسوس کر چکے تھے کہ آج کے انسان کو کس چیز کی ضرورت ہے؟ لہذا انہوں نے یہ فرمایا: امروز جهان تشنہ فرهنگ اسلام ناب محمدی است ۔ آج دنیا حقیقی اسلامی ثقافت کی پیاسی ہے۔ (صحیفہ نور، ج ۲۰، ص ۳۳)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تخلیق کائنات کا مقصد یہ ہے کہ پوری کائنات میں صرف خالق کائنات کا نام و نمود ہو صرف اس کا تذکرہ ہو، زمین پر آسمان کی طرح صرف اللہ کا سجدہ ہو غیر اللہ کی پرستش نہ کی جائے، صرف کلمة اللہ کا علم بلند ہو کسی دوسرے نام کا علم اللہ کی خلق کردہ فضا میں لہراتا ہوا نظر نہ آئے، اللہ کی پیدا کردہ مخلوق میں صرف قانون الہی نافذ ہو کوئی دوسرا قانون اس کے جاگزین ہونے کی کوشش نہ کرے اور روئے زمین پر صرف ایک ہی حکومت ہو اور وہ صرف اللہ کی حکومت ہو جس میں ذرہ برابر ظلم و ستم نام کی کوئی چیز نہ ہو جس میں نہ کسی کا حق مارا جائے اور نہ ہی ناحق کسی کو مارا جائے، جس میں انسان تو انسان جانور ایک دوسرے سے پیار و محبت کے ساتھ جئیں، جس میں عدل و انصاف کی یہ حد ہو کہ فقیر و مسکین اور مظلوم و بے کس تلاش کرنے سے بھی نہ ملیں۔ ایسے نظام حکومت کے قیام کے لیے اللہ نے ارسال رسل اور نزول کتب کا سلسلہ قائم کیا۔ اور آخری نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت کا مقصد، خاص طور پر یہی بیان کیا: **هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله و لو کره المشرکون** (توبہ، ۳۳) کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اسی لیے بھیجا کہ وہ اسے دیگر تمام باطل ادیان پر غالب کرے، دیگر ادیان کو صفحہ ہستی سے مٹا کر دین اسلام کو سر بلندی عطا کرے۔ پیغمبر اکرم (ص) نے اپنی ٦٣ سالہ حیات مبارکہ میں انتھک کوششیں اور زحمتیں اٹھا کر اس دین کی بنیاد ڈالی اور اپنے بعد دوازدہ خلفاء برحق کا سلسلہ قائم کر کے اس کی بنیادوں کو مستحکم اور مضبوط بنایا۔ اس لیے کہ یہ بات مسلم ہے کہ اتنے کم وقت میں اتنے بڑے مقصد کو حاصل کرنا عادی طور پر ناممکن ہے۔ لہذا گزر ایام کے ساتھ ساتھ جب انسانوں کے شعور بیدار ہوتے رہیں گے تو دنیا میں انقلابات رونما ہوتے رہیں گے اور خود بخود اس عالمی الہی حکومت کے لیے زمین ہموار ہوتی رہے گی تا کہ جب آخری فرزند و جانشین رسول، پردہ غیب سے نکل کر آئے گا تو پوری دنیا ان کا استقبال کرے گی اور آپ مختصر وقت میں پوری دنیا میں الہی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر دنیا میں موجودہ حالات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو لامحالہ انسان اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ پوری دنیا ایک ہی سمت و سو حرکت کر رہی ہے۔ چاہے وہ مغرب سے اٹھنے والی آوازیں ہوں یا مشرق سے بلند ہونے والی صدائیں، سب کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ انسان، انسان کے بنائے ہوئے قوانین کے ماتحت زندگی نہیں گزار سکتا، انسان کو انسانی زندگی بسر کرنے کے لیے مافوق بشر طاقت کے بنائے ہوئے قانون کی ضرورت ہے۔ پچاس سال پہلے ایرانی قوم کے اندر یہ شعور بیدار ہوا تو انہوں نے رہبر کبیر حضرت امام خمینی رحمة اللہ علیہ کی انوکھی رہبریت میں اپنے شعور کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور اسلامی انقلاب قائم کر کے ایک نیا طرز زندگی اور جینے کا ڈھنگ دنیا والوں کو سکھایا، اسلام کو حیات مجدد عطا کی اور عالم اسلام کے لیے الہی حکومت کا ایک انمول اور بے نظیر عملی نمونہ پیش کیا۔ اسلامی بیداری میں اسلامی انقلاب کا کردار اسلامی انقلاب کے وقوع پذیر ہونے کے ساتھ ایک بار پھر مستضعفین کو روئے زمین کی حکومت عطا کرنے والا اللہ کا سچا وعدہ عملی جامہ پہنتے ہوئے نظر آیا اور صاحبان ایمان کو ایک بار پھر زمین کے ایک خطہ میں الہی حکومت قائم کرنے کا موقع فراہم ہوا۔ اور اسلام کا چمکتا ہوا سورج ایک بار پھر نئی روح و حیات لے کر سرزمین ایران کے افق سے نمودار ہوا اور دھیرے دھیرے پوری دنیا میں نور افشانی کرتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ دنیا کے کونے کونے سے اٹھنے والیں اسلامی تحریکیں اسی آفتاب عالمتاب کی روشنی میں اپنا راستہ ڈھونڈتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ جیسا کہ بین الاقوامی حوادث کے متعلق نظریہ پردازوں نے انقلاب اسلامی کے ذریعہ حیات مجدد حاصل کرنے والے اسلامی معاشروں کے سلسلے میں کہا: 'ایران میں امام خمینی کی حکومت کے آغاز کے ساتھ اسلام نے ایک نئی زندگی کا آغاز کر لیا جس نے بہت مختصر وقت میں عالمی سطح پر اپنے ایسے سیاسی اور ثقافتی آثار و برکات نچھاور کئے جن کی ہرگز پیشنگوئی نہیں کی جا سکتی تھی۔ (ماہنامہ اسلام و غرب، شمارہ بہمن و اسفند ۷۸) اسلامی انقلاب اور اس کے رہبر (امام خمینی) بے شک اسلام کو نئی زندگی دینے والی تحریک کے موجد ہیں جنہوں نے دوسرے ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو بھی اپنی اسلامی ہویت اور شخصیت کو دوبارا حاصل کرنے کا سلیقہ سکھلا دیا۔ یہ تحریک قومیت سے بالاتر اثر و رسوخ کی حامل ہے۔ (پروفیسر کارسٹن کوپلر، شکل اسلام، ص ٦٧)' امام خمینی نے اسلامی انقلاب کے ذریعہ نہ صرف ایرانیوں اور مشرق وسطی کو بلکہ پوری دنیا کے لوگوں کو اپنا عاشق بنا دیا۔ (گراہام فولر امریکی، قبلہ عالم، جیو پولیٹیک ایران، ترجمہ عباس مخبر، ص ۱۱۱) جس طریقہ سے امام خمینی نے ایرانیوں کی زندگی کو معنی اور مفہوم دیا ہے اسی طریقہ سے کروڑوں مستضعف انسانوں کو زندگی کی امید دی (فتحی شقاقی، تحریک فلسطین کا رہبر، انتفاضہ و طرح اسلامی معاصر، ص ۸۷)

آج اسلامی انقلاب کے آثار و برکات ایرانی بارڈر سے باہر نکل گئے ہیں اور مشرق وسطی میں سب سے بڑا سیاسی اور اسلامی تحریکوں کا محرک اسلامی انقلاب ہے۔(ڈاکٹر ماروین زونیس، امریکہ یونیورسٹی کا استاد، رسالت نیوز ایجنسی کو انٹرویو دیتے ہوئے، ۱۷،۱۱،۷۹) انقلاب امام خمینی، مسلمان قوموں کو متحد کرنے کی غرض سے ان کے اندر اسلامی بیداری کی لہر پیدا کرنے میں سب سے زیادہ موثر ثابت ہوا ہے(شیخ عبدالعزیز عودہ،) آج شمال افریقہ سے لے کر ایشیا کے جنوب مشرق تک تمام اسلامی ممالک میں اسی انقلاب کی وجہ سے اسلامی بیداری کی لہر دوڑ گئی ہے اور ہر آئے دن اس کے طرفداروں میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔(پیتر۔ ال۔ برگر، معروف امریکی سوشیالیسٹ، افول سکولاریزم، ترجمہ افشار امیری، ص ۲۳) مسئلہ فلسطین پر انقلاب اسلامی کا اثر خاص کر کے مسئلہ فلسطین جو فراموشیوں کے حوالہ ہو گیا تھا انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد اس نے مسلمان قوموں کے اندر ایک نیا رخ اختیار کر لیا اور تمام مسلمانوں کی توجہات کا مرکز بن گیا۔ اور خود فلسطینی لوگوں کو اپنا حق حاصل کرنے اور فلسطین کو غاصب صہیونیسٹ سے آزادی دلانے کا ایک بہترین راستہ مل گیا اگر چہ ان کے درمیان امام خمینی (رہ) جیسے عظیم الشان رہبر کے نہ ہونے کی وجہ سے انہیں صحیح راہنمائی حاصل نہیں ہو سکی اور وہ آزادی حاصل نہیں کر پائے۔ لیکن ابھی تک ان کے اندر جو اسرائیل کے خلاف مقاومت اور مقابلہ کا جذبہ پایا جاتا ہے وہ صرف انقلاب اسلامی کی دین ہے جیسا کہ ایک اسکالر کا کہنا ہے: ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی نے فلسطینی انقلاب اور عوام پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ (شیخ عبداللہ شامی، تحولات انقلابی در ایران، جمیلہ کدیور، پایان نامہ کارشناسی ارشد، ص ۱۴۲) اور فلسطینی عوام نے یہ احساس کر لیا کہ اسرائیل کو شکست دینا

ممکن ہے۔(فتحی شقاقی، مذکورہ حوالہ) اسلامی ثقافت کی تجدید حیات تحریک امام خمینی (رہ) اور اسلامی انقلاب نے اسلامی معاشروں پر ایک اثر یہ بھی چھوڑا کہ اسلامی معاشروں میں شعائر اسلامی کی عظمت دوبارہ زندہ ہوئی، مسلمانوں کے اندر اپنے مقدسات کی حفاظت کا جذبہ بیدار ہوا اور ان کے تحفظ کی ہمت اور غیرت ان کے اندر پیدا ہوئی، جوان نسل میں خاص کر اسلامی تفکر نے جگہ حاصل کی، ان کے نزدیک مذہب کا پاس ولحاظ رکھنے کا جذبہ اجاگر ہوا۔ جوانوں نے جگہ جگہ اسلامی کانفرنسیں اور سمینار منعقد کروانے شروع کئے، مذہبی پروگراموں میں جوانوں کی شرکت میں اضافہ ہوا اور دینی امور میں نسل جوان پیش قدم نظر آنے لگی۔ اور اسلامی ممالک میں مخصوصا اسلامی ثقافت نے دوبارہ زندگی حاصل کی وہ اسلامی ثقافت جو ایک عرصہ سے استعماری طاقتوں کے ظلم وستم اور انگریزوں کے کلچر کا نذرانہ بن چکی تھی، مسلمان اپنے تمدن کو چھوڑ کر انگریزی تمدن کو اپنانا اور ان کے جیسی زندگی بسر کرنا اپنا افتخار سمجھتے تھے لیکن انقلاب اسلامی ایران کے بعد وہی مسلمان اسلامی تمدن وثقافت کو اپنانے میں نہ صرف کسی قسم کی شرم و عار محسوس نہیں کرتے بلکہ اسلامی نظام حکومت کو قائم کرنے کے لیے اپنی قربانیاں دیتے ہیں۔ رہبر انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی جوانوں کے لیے امام خمینی (رہ) کے مسیحا ہونے اور ان کے اندر اسلامی اور مذہبی روح پھونکنے کے بارے میں فرماتے ہیں۔ اس انقلاب کے بانی امام بزرگوار نے مسلمانوں کو نشاط بخشا، اسلام کو زندہ کیا اور آج اسلام، نسل جوان اور روشن فکروں کی آرزو اور امید ہے۔(سخنرانی معظم لہ دو مین سالگرد رحلت امام (رہ) ۱۴،۳، ۷۰ ش) دنیا اسلام ناب محمدی (ص) کی پیاس، آج کا انسان معنویت سے دور اور سراب مانند دنیا کے زرق و برق سے تھک چکا ہے وہ ایک ایسے سرچشمہ حقیقت کی تلاش میں ہے جو اس کی زندگی کو معنی اور مقصد عطا کرے، وہ ایسے پرامن سفینہ کی تلاش میں ہے جو اسے طوفان دنیا سے بچا کر ساحل نجات تک پہنچا دے، وہ ایسی روشن شمع کو ڈھونڈ رہا ہے جو اسے مادیت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر معنویت کی سحر سے ہمکنار کر دے۔ لہذا ایسے میں سوائے اسلامی والہی تعلیمات کے کوئی اور روشنی اسے ظلمتوں سے نہیں نکال سکتی۔ اللہ ولی الذین آمنو یخرجھم من الظلمات الی النور (بقرہ، ۲۵۷) امام خمینی (رہ) پوری دنیا کے انسانوں کی دلی تڑپ کو بھانپ چکے تھے وہ یہ محسوس کر چکے تھے کہ آج کے انسان کو کس چیز کی ضرورت ہے؟ لہذا انہوں نے یہ فرمایا امروز جہان تشنہ فرہنگ اسلام ناب محمدی است۔ آج دنیا حقیقی اسلامی ثقافت کی پیاسی ہے۔(صحیفہ نور، ج ۲۰، ص ۳۳) انقلاب اسلامی ایران سے پہلے بہت سارے فلاسفر دین عیسائیت کی طرح اسلام کو بھی ایک پرانا اور فرسودہ دین سمجھتے تھے کہ جس کی مدت تمام ہو گئی ہو، جس کا اعتبار ختم ہو گیا ہو، جیسا کہ جرمنی کے ایک فلاسفر ہیگل کا کہنا ہے: "تاریخی اعتبار سے اسلام کا سماج میں اثر ختم ہو چکا ہے۔(نشریہ پرتو ۸،۲،۸۲ ش ص ۱۷۶)۔ لیکن اس کا یہ فیصلہ محض ایک خطا تھی۔ انقلاب اسلامی ایران نے اسلام کو ایک زندہ اور ماورائے تاریخ دین ثابت کر کے یہ بتادیا کہ ہیگل اور اس کے جیسے دیگر فلاسفروں کے نظریات دین عیسائیت کے سلسلے میں تو سچے ثابت ہو سکتے ہیں لیکن اسلام کے بارے میں تو یہ صرف ایک وہم وخیال ہیں۔ اسلام ایسا زندہ و جاوید دین ہے جسے تاریخی اوراق فرسودہ نہیں کر سکتے۔ وہ ایک ایسی لایزال حقیقت ہے جو تاریخ کو وجود اور حیات دیتی ہے نہ کہ گزر تاریخ سے اس کے اعتبار پر کوئی فرق پڑتا ہے۔ ایران کا انقلاب قومی اور ملی انقلاب نہیں تھا جس نے صرف ایرانی قوم کو استعماری طاقتوں سے آزادی دلائی ہو بلکہ وہ ایک اسلامی انقلاب ہے۔ اس نے اسلام کو استعماری اذہان اور تفکرات کی زنجیروں سے

آزادی دلائی، اسلام کو تاریخ کے بیابانوں میں پژمردہ اور فرسودہ ہونے سے بچا لیا اور اس تصور کو لوگوں کے ذہنوں سے پاک کر دیا۔

(11 فروری انقلاب اسلامی ایران کی سالگرہ پر تمام مستضعفین کو تبریک پیش کرتے ہیں)

☆☆☆☆☆

بڑھتے رہیں یونہی قدم

Monthly Afkar-e-Al-Arif Lhr. (Regd.) CPL# 60